پیش لفظ

تاریخ گجرات بچپن سے میرا محبوب موضوع رہا ہے،۱۹۹۶ء میں درگاہ پیر محمد شاہ احمد آباد کی طرف سے ’’قرون وسطیٰ میں گجرات کی علمی وادبی سرگرمی‘‘ کے عنوان سے مقالہ کی دعوت دی گئی،اس سے پہلے میں نے **گجرات کے محدثین کے موضوع** پر کچھ لکھا تھا تو اسی کو بنیاد بنا کر مقالہ لکھا گیا تھا،اور وہ درگاہ پیر محمد شاہ کے جرنل میں شائع بھی ہوا تھا،اس وقت تاریخ گجرات کے معتبر ومحقق پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی صاحب حیات تھے،انہوں نے مقالہ نگاری پر بہت حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔

اس کے بعد ۲۰۰۱ء میں ’’گجرات کی علمی،ادبی وثقافتی میراث‘‘ کے عنوان سے درگاہ پیر محمد شاہ میں ہی دوسرا مقالہ ’’تجوید وقراءت اور صوبۂ گجرات‘‘ کے عنوان سے پیش کیا گیا جو درگاہ کے جرنل-۳ میں شائع ہو چکا ہے، پھر گجرات میں رابطۂ ادب اسلامی کی شاخ قائم ہونے کے بعد گجرات کی مختلف شخصیات کے عنوان سے مقالے لکھے،جس میں ’’**محدث کبیر حافظ حدیث عبدالملک عباسی بنبانی**‘‘،’’**کثیر التصانیف محدث نورالدین احمد آبادی**‘‘،’’**استاذ الاساتذہ شاہ وجیہ الدین علویؒ**‘‘ یہ مقالہ ’’گجرات کی علمی وادبی شخصیات‘‘ نامی رابطۂ ادب اسلامی کی گجرات شاخ کی طرف سے شائع ہونے والے مقالات میں شامل اشاعت ہے۔

۲۰۰۷ء میں ایم۔ایس۔یونیورسٹی بروڈہ کی طرف سے ’’حضرت علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ کی سوانح حیات اور علمی کارنامے‘‘ کے عنوان سے عربی زبان میں مقالہ لکھنے کی دعوت موصول ہوئی تھی،تو عربی زبان میں **’’العلامة الجليل المحدث العظيم طاهر الفتني الغجراتي في ضوء شخصيته ومآثره العلمية‘‘** کے عنوان سے عربی زبان میں مقالہ لکھا گیا؛ جنوری ۲۰۱۶ء میں **مجمع الفقه الاسلامي** ہند اور جامعہ ملیہ دہلی کے اشتراک سے **’’التراث العربي في الهند‘‘** کے عنوان سے علماء کرام ودانشوران کو مختلف موضوعات پر مقالہ لکھنے کی دعوت دی گئی تھی، بندہ کو **’’مجمع بحار الأنوار لمحمد بن طاهر الفتني‘‘** کے عنوان سے غرائب الحدیث کی تاریخ، مذکور کتاب کا تعارف اور خصائص وامتیازات پیش کرنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی، تو اس عنوان پر بھی مقالہ لکھا گیا۔

رابطۂ ادب اسلامی گجرات کی طرف سے ۲۰۱۲ء میں ’’**عرب ممالک اور گجرات کے روابط**‘‘ کے عنوان سے مقالہ کی دعوت آنے پر کچھ خامہ فرسائی کی تھی، مضمون طویل ہو گیا تو اس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا، اس میں گجرات وعرب ممالک کے تعلقات کو مختلف عنوانات سے واضح کیا ہے:

عرب وہند کے مختصر تعلقات، گجرات کی مختصر سیاسی تاریخ، گجرات کی مختصر تجارتی حیثیت، گجرات کی مختصر جغرافی حیثیت، عرب کا جغرافیہ، عرب وگجرات کے تجارتی تعلقات، عرب وگجرات کے دعوتی وسیاسی تعلقات، حرمین شریفین سے گجرات کے والہانہ تعلقات، گجرات عربوں کی نظر میں، گجرات اور عربوں کے دعوتی واصلاحی تعلقات، سندھ اور گجرات میں شیعیت کی اشاعت میں یمنی داعیوں کا کردار، عرب وگجرات کے ثقافتی تعلقات، عرب وگجرات کے علمی روابط، قبائل عرب کی گجرات آمد، عرب وگجرات کا باہمی علمی استفادہ اور مدارس وکتب خانوں وغیرہ کا اجمالی ذکر ہے۔

یہ کتاب مجموعی طور پر ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اور ’’عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات‘‘ کے عنوان سے چھپ چکی ہے،

اس طرح تاریخ گجرات کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو نمایا کرنے کی کوشش کی گئی، البتہ پڑھتے وقت محدثین وقراء اور فقہ واصول فقہ کے ماہرین مفتیان کرام اور محکمۂ قضاء واحتساب سے متعلق حضرات کا تذکرہ بھی بار بار نظروں سے گذرا، لیکن موضوع کے متعین ہونے کی وجہ سے اس سے صرف نظر کرتا رہا، البتہ اس شعبہ سے وابستگی کی وجہ سے دل میں یہ خیال ضرور تھا کہ کسی وقت اس موضوع پر بھی کچھ لکھوں گا۔

مفتی عبدالقیوم راجکوٹی صاحب نے ''فقہائے گجرات اوران کی فقہی خدمات'' کے عنوان کے ماتحت آٹھویں صدی ہجری سے لیکر پندرہویں صدی تک ۸۰۰ سالہ فقہی خدمات کو ذکر کیا ہے، جن میں آٹھویں صدی کے ۴ فقہاء، نویں صدی کے ۲۲ فقہاء، دسویں صدی کے ۲۴ فقہاء، گیارہویں صدی کے ۱۱ فقہاء، بارہویں صدی کے ۱۷ فقہاء، تیرہویں صدی کے ۲۲ فقہاء، چودہویں صدی کے ۳۴ فقہاء، اور پندرہویں صدی کے ۶ فقہاء کا؛ مجموعی طور پر (۱۴۰) فقہاء کرام اوران کی تصنیفات، قضاء ودیگر مصروفیات کا اجمالی ذکر کر کے ''دریا بکوجہ'' کا مصداق بنایا ہے۔

حسن اتفاق سے درگاہ پیر محمد شاہ ٹرسٹ کے معمر بزرگ پروفیسر جناب محی الدین بمبئی والا کی طرف سے بندہ کے ساتھ فون پر بات چیت ہوئی تو انہوں نے فون کرنے کی غرض بتائی کہ ہماری لائبریری کا ساتواں جرنل مرتب ہورہا ہے اور اس کے لئے **''گجرات کے فقہائے کرام کی خدمات''** کے عنوان سے ایک مضمون کی ضرورت ہے، مجھے فوراً مفتی عبدالقیوم راجکوٹی صاحب کا مقالہ یاد آیا، تو کتب خانے سے منگوا کر میں نے اس کا مطالعہ کیا اور مضمون پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوگیا کہ اب اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، حضرت مفتی صاحب نے کافی محنت سے یہ کتاب تیار کی ہے، لہٰذا مزید کوئی اضافہ مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن کچھ دنوں کے بعد پروفیسر محی الدین صاحب کی طرف سے ایک خط آیا جس میں ایک مستشرق آرتھر جیفری کی انگلش کتاب ''دی فارن وکیبیولری آف دی قرآن''[The Foreign Vocabulary of the Qur'an] جس پر ڈاکٹر مقصود احمد صاحب کا بہت شاندار اور طویل مقالہ جرنل-۳ میں شائع ہو چکا ہے، کے چند صفحات کا عکس اور اس کے چھپوانے کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا تھا، اور ساتھ میں پھر مقالے کا موضوع متعین کر کے اس پر اصرار کیا گیا، ایک ۹۰ سال کے بزرگ کی محبت آمیز گزارش کو رد کرنا مناسب نہیں سمجھا اور پھر موضوع میں بھی قدرے تنوع تھا، موضوع تھا، ''سترہویں صدی اور اٹھارویں صدی میں گجرات کے مفتیان کرام اور فتوی نویسی کا ارتقاء'' تو بندہ نے پھر اس سلسلہ کی کتابوں کو جمع کرنا شروع کیا، انٹرنیٹ سے بھی کچھ کتابیں دست یاب ہوئیں، جن میں مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی دو کتابیں ''برصغیر میں علم فقہ اور فقہائے ہند'' سے بھی استفادہ کیا گیا اور دوسری وہ تمام کتابیں جن سے ''عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات'' نامی کتاب تیار کرنے میں مدد حاصل کی گئی تھی، ان سے یہ مختصر تیار کر کے پیش کرتا ہوں۔

مفتی عبدالقیوم صاحب نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ''نزہۃ الخواطر'' کو بنیاد بنایا ہے، اور ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے، جب بندہ نے گجرات کے محدثین کے سلسلے میں (۱۹۹۶ء) میں مقالہ لکھا تھا تو ''نزہۃ الخواطر'' کو ہی بنیاد بنایا تھا اور اس کی تمام جلدوں میں سے محدثین کے احوال جمع کئے تھے، اگر چہ محدثین کے سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی بہت کچھ لکھا ہے، اسی طرح تجوید وقراءت کا مقالہ لکھتے وقت بھی یہی طریقہ اپنایا، اس کے علاوہ ''مشائخ احمد آباد'' کی دو جلدیں اور ''تذکرۂ قاریان ہند'' میں بھی قراء کا ذکر موجود ہے، لیکن بہت سے قراء کے نام ایسے بھی محسوس ہوئے کہ تذکرۂ قاریان ہند کے مصنف نے اندازہ سے ہی ان کو قراء کی فہرست میں شامل کیا ہے، اسی طرح مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے فقہائے ہند کی مختلف جلدوں میں فقیہ کے لفظ کا اضافہ کر کے کچھ غیر معروف فقہائے کرام کا بھی تذکرہ کیا ہے، اب یہ متعین کرنا ہمارے لئے بہت ہی مشکل ہوتا ہے، فقہاء کرام ومفتیان عظام کے سلسلے میں

عربی، فارسی اور اردو کتابوں کی ورق گردانی میں یہی پریشانی پیش آتی ہے، کتنے فقہائے کرام ومفتیان عظام کے ناموں اور کارناموں سے ہم واقف نہیں ہیں، علوم وفنون کی مہارت اور درس وتدریس کے مشغلوں میں مصروف ہونے والے کئی گمنام حضرات ہیں، جن کا تذکرہ ہم تک صراحۃ یا اشارۃ بھی نہیں آیا ہے، البتہ تاریخ نے جن حضرات کی تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور قضاء وافتاء کے منصب کا ذکر کیا ہے، یا کسی واقعہ کے ضمن میں ان کے فتاوی یا تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، ان کو میں نے ذکر کیا ہے۔

اس میں نزہۃ الخواطر، کشف الظنون، یاد ایام، مشائخ احمد آباد، گجرات کی تمدنی تاریخ، فقہائے ہند، برصغیر میں علم فقہ، برصغیر میں تدوین اصول فقہ، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، عربی زبان اور ادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ (باقر علی ترمذی) اور علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ وغیرہ کتابوں کا بار بار مطالعہ کرکے جو بات محقق نظر آئی اس کو ذکر کیا ہے۔

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی دامت برکاتہم اپنے ایک مقالے ''برصغیر ہند میں فقہ حنفی کا آغاز وارتقاء'' میں تحریر فرماتے ہیں......

یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ اگر چہ برصغیر ہند میں فقہ حنفی کی عمر ایک ہزار سال سے زائد ہوچکی ہے، مگر جہاں تک معلوم ہے، اب تک فقہ حنفی کے عروج وفروغ، فقہ حنفی کے علماء، ان کے اثرات، تلامذہ اور مصنفات پر کوئی بڑا، جامع اور مستند ومحقق کام نہیں ہوا۔ کوئی بڑی محقق تاریخ مرتب نہیں ہوئی، نہ ہی ان کی تصانیف کی فہرستیں اور تفصیلات جمع کی گئیں۔

جہاں تک معلوم ہے، برصغیر ہند میں فقہ حنفی کی پہلی کتاب، مجموعہ سلطانی ہے، جو سلطان محمود غزنوی کے نام معنون کی گئی تھی، اس وقت سے عصر حاضر تک، اس لیے عرصہ میں ہندوستان میں، فقہ وفتاوی کے عنوانات ومباحث پر اندازہ ہے کہ مجموعی طور سے چار، ساڑھے چار ہزار کتابیں لکھی گئی ہوں گی مگر نہ ہی ان تصانیف کی کوئی مرتب فہرست ہے، نہ ان کے خطی نسخوں کی تلاش کی گئی ہے، نہ مطبوعہ کی جستجو۔

الفوائد البھیئہ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے بعد، غالباً فقہاء کا ہندوستان میں لکھا ہوا پہلا جامع تذکرہ مولانا فقیر محمد جہلمی کی ''**حدائق الحنفیہ**'' ہے، جو اردو میں ہے، اس میں مصنف نے فقہاء ہند کا بھی موقع بہ موقع تذکرہ کیا ہے۔ **حدائق الحفیہ** ۱۲۹۷ھ میں مکمل ہوئی، ۱۳۰۰ھ میں مصنف نے اس پر نظر ثانی کی اور رمضان المبارک ۱۳۰۳ھ [جون ۱۸۸۴ء] میں نول کشور پریس لکھنؤ سے پہلی مرتبہ چھپی، بعد میں کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس میں شامل برصغیر کے فقہائے کرام میں سے پہلا نام، شیخ محمد اسماعیل لاہوری وفات ۴۴۸ھ [۱۰۶۸ء] کا ہے۔ شیخ اسماعیل، نامور حنفی فقیہ اور امام شمس الائمہ حلوائی کے معاصر تھے۔ دونوں کی وفات کا سنہ بھی ایک ہی ہے۔ شیخ اسماعیل لاہوری [سندھ کے علاوہ] برصغیر میں حدیث وفقہ کے پہلے سب سے بڑے عالم اور محدث تھے۔

حدائق الحنفیہ میں اس کے بعد، ہراک صدی کے فقہاء کے احوال میں ایک دو، یا اس سے زائد ہندوستانی فقہائے احناف کا تعارف کرایا گیا ہے، دسویں صدی ہجری کے فقہاء کے تذکرہ سے فقہائے ہند کا شمار اور تذکرے بڑھنے شروع ہوگئے ہیں، دسویں سے تیرہویں صدی تک، ہراک صدی کے تحت فقہائے احناف ہند کے تذکروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، تیرہویں صدی کے فضلاء کا بڑا حصہ، فقہائے ہند کے احوال پر مشتمل ہے۔ اگر چہ مولانا فقیر محمد صاحب، اپنی اطلاعات کا ذریعہ اور مآخذ کا تذکرہ نہیں کرتے، تاہم یہ معتبر تذکرہ ہے، ضرورت ہے کہ اس پر نظر ثانی ہو، اس کے حوالے تلاش کئے جائیں اور اس کا مفصل ضمیمہ اور تکملہ لکھا جائے۔

فقہائے ہند کے احوال پر ایک اور بڑی نسبۃً جامع اور مفید تالیف، پاکستان کے مشہور اہل قلم، مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی ''فقہائے پاک وہند'' ہے، یہ کتاب دو مرتبہ شائع ہوکر کم یاب ہوچکی ہے، تیسری مرتبہ شائع ہونے والی ہے، پہلی طباعت آٹھ حصوں پر چھپی

تھی، دوسرا حصہ کتابت سے نہایت عمدہ چار جلدوں میں چھپا، دوبارہ اس ترتیب پر چپ رہا ہے۔(انٹرنیٹ پر اب یہ کتاب مکمل آچکی ہے)

تذکرہ فقہائے ہند، اس وقت تک، برصغیر کے فقہائے کرام اور مراکز فقہ کا سب سے جامع اور نسبتاً منصفانہ تعارف نامہ ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی کی، اس سلسلہ کی ایک اور نہایت مفید اور عمدہ تصنیف: ''برصغیر میں علم فقہ'' ہے، اس میں فاضل مصنف نے اول فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معانی، مآخذ فقہ، اقسام احکام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعینؒ کی اجتہادی آراء، اجتہاد، استنباط مسائل میں اختلاف، اصحاب فتوی صحابہ اور تابعین وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ مراکز فقہ کی بات کی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ کا تذکرہ کیا ہے، برصغیر میں اہل فقہ کی آمد اور ابتدائی اسلامی فتوحات کا تذکرہ کرتے ہوئے، ابتدائی چند صدیوں کے چند بڑے فقہاء کا مختصر مختصر ذکر کیا ہے، اس کے بعد برصغیر میں فقہ پر لکھی گئی اہم ترین، ممتاز ترین، کتابوں کا بہت عمدہ، فاضلانہ اور مبصرانہ جامع تعارف کرایا ہے، جس کی ابتدا، فتاوی غیاشیہ سے ہوئی ہے، جو غیاث الدین بلبن (۱۲۸۷ء) کے عہد سلطنت میں لکھی گئی تھی، غیاث الدین کی مناسبت ہی سے اس کا نام سے فتادی غیاشیہ ہے۔ اس کے علاوہ دس اور فقہی تصانیف کا علمی تعارف اور ان کے بعض مندرجات پر تبصرہ بھی ہے۔ اس کے تعارف میں شامل فقہ کی زیر تعارف کتابوں کے مصنفین کرام نے، اپنی کتابوں میں جو نئے مسائل اٹھائے ہیں، ان کا بھی کچھ تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی یہ تصنیف برصغیر کی تاریخ فقہ کی ایک علمی ضرورت کو اچھے طریقہ پر پورا کرتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نہج پر، برصغیر کی جملہ اعلی فقہی تصانیف کا تعارف کرایا جائے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا بھٹی صاحب، جنہوں نے فقہائے ہند کا مندرج بالا مفصل تذکرہ اور یہ کتاب لکھی ہے، اہل حدیث ہیں مگر ان کی کتاب میں عدم تقلید کا بہت کم اثر ہے، بھٹی صاحب کو فقہائے کرام اور کتب فقہ سے ایک محبت و تعلق معلوم ہو رہا ہے، یہ بات لائق تحسین ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔

تشکر:

اس وقت پنج ماہی امتحان کی آمد ہے، اس نسبت سے اساتذہ آموختہ سننے اور امتحان کی ذمہ داریوں میں مصروف ہیں، اس درمیان انہوں نے وقت نکال کر تعاون کیا، چنانچہ مولانا یوسف سندراوی اور مولانا ذاکر صاحب پارکھیتی نے وقت نکال کر کمپوز اور سیٹنگ کے مراحل مکمل کیے، مولانا یسین صاحب کرماڈی نے بھی کچھ اوراق کمپوز کر کے کام کو آسان کر دیا، اور مولانا عبدالرشید صاحب منوبری نے پروف ریڈنگ کر کے تعاون کیا، اللہ پاک ان تمام کو علم نافع نصیب فرمائے، دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے نوازے اور مزید ترقیات نصیب فرمائے۔

جناب ایوب بھائی بھاڑ بھوٹ بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کتابوں کی پرنٹ اور سپائرل بائنڈنگ کر کے کتاب سے استفادہ میں سہولت پیدا کر دی، جس سے مطالعہ اور ورق گردانی آسان ہو جاتی ہے، اللہ پاک انہیں بھی اجر عظیم عطا فرمائے، دینی امور سے وابستہ رکھے۔

(حضرت مولانا) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (حفظہ اللہ)

شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا،

بھروچ، گجرات، پن: ۳۹۲۰۰۱

عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے روابط

گجرات وعرب ممالک کے تعلقات کے سلسلہ میں تاریخ کی ورق گردانی کے بعد یہ محسوس ہوا کہ اس موضوع کو واضح کرنے کے لئے تاریخ گجرات کو مختلف سیاسی ودعوتی ادوار میں تقسیم کرنا ضروری ہے، لہذا استقرائی طریقہ پر میں نے تاریخ کو چند ادوار میں تقسیم کیا ہے:

(۱) ماقبل الاسلام دور (۲) ۱۵ھ سے لے کر ۱۶۰ ھ تک کا دور (۳) ۱۶۰ھ سے لے کر سلطان محمود غزنوی کے حملوں تک کا دور (۴) سلطان محمود غزنوی سے لے کر خودمختار سلطنت کے قیام تک کا دور (۵) خودمختار سلطنت کا مجموعی ۱۸۴ سالہ دور (۶) دور اکبری سے لے کر انگریز کے قبضہ تک کا دور۔

ان چھ ادوار میں خودمختار سلطنت کا دور تمام ادوار میں واضح اور نمایاں ہے؛ کیوں کہ اس دور کی تاریخی کتابیں ہمارے پاس محفوظ ہیں، اسی طرح اکبر کے گجرات پر حملہ کر کے گجرات کو مرکزی سلطنت میں شامل کرنے سے لے کر انگریزی دور تک کے حالات کا بھی کچھ مواد مل جاتا ہے۔

ان ادوار میں دوسرا دور سرزمین گجرات کے لئے سب سے سنہرا اور بابرکت دور ہے، اس ۱۴۵ سالہ دور میں صحابۂ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین حضرات کا بکثرت ورود ہوا ہے، قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند کرنے والے حضرات تنہا مجاہد ہی نہیں بلکہ کتاب وسنت کے علوم کے ماہر بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ خطۂ گجرات ایک روحانی وعلمی مرکز، تجارتی منڈی اور پرسکون زندگی کے لئے مناسب آشیانہ کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔

مجاہدینِ اسلام کے دعوتی جہادی اسفار اور کامیابی کے اسباب:

ابتداء میں اس ملک کو اسلام سے روشناس کرانے کے اصل تین ذرائع تھے۔

(۱) عرب تجّار: عرب تاجروں اور ان کے ساتھ آنے والے مبلّغین کے ذریعہ سب سے پہلے ہمارے ملک تک اسلام کی روشنی پہنچی، انہی کی کوششوں سے ساحلی علاقوں کے باشندے اسلام اور اس کی تعلیمات سے روشناس ہوئے۔

(۲) مسلمان حملہ آور: یہ لوگ فوجی قوت سے اندرونی ملک میں داخل ہوئے، اگرچہ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے اسلام کی پوری پوری نمائندگی نہیں کی، پھر بھی ان کے حملوں کا یہ نتیجہ ضرور رہا کہ مسلمان ممالک کا اندرونِ ملک سے رابطہ قائم ہو گیا، اور دین حق کی دعوت کے لئے راستے کھل گئے۔

(۳) مبلغین اور بزرگان دین: بہت سے بزرگ اپنے مخلص عقیدت مندوں کے ساتھ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور منظم طور پر دین کی اشاعت کا کام کرنے لگے، ان کا تقویٰ، خلوص اور انتھک کوششوں سے ہزاروں ہندوستانی مشرف باسلام ہوئے، متعدد

افراد کے قلوب نرم اور اخلاق پسندیدہ ہو گئے، یہاں کے باشندوں کی ایک خاصی تعداد کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام اور بقاء کے لئے زمین ہموار ہو گئی۔

جہاں تک عرب تجار، مبلغین اور فقیر منش بزرگوں کی مساعی کا تعلق ہے تقریبا تمام لوگ انہیں سراہتے اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں، چنانچہ آج بھی مسلمانوں کے علاوہ کتنے غیر مسلم بھی ان بزرگوں کے مزار پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں، لیکن مسلمان حملہ آوروں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا؛ بلکہ ان پر لوٹ مار، قتل وغارت گری، بے جا تشدد، ملک گیری کی بڑھتی ہوئی ہوس اور جبری تبدیلی مذہب کا الزام لگایا جاتا ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض الزامات کسی نہ کسی درجہ میں صحیح ہیں، لیکن جب ہم ان اسباب پر غور کرتے ہیں جو ان حملوں کے محرک ہوئے تو ان حملہ آوروں ہی کی طرح وہ لوگ بھی موردِ الزام ٹھہرتے ہیں جن پر یہ حملے ہوئے مثلاً:

حملوں کے اسباب:

(۱) ہندوستانی راجہ ان باغی گروہوں کو اپنے یہاں پناہ دیتے تھے جو مسلمانوں کی مملکت میں بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد یہاں بھاگ آتے تھے، ان باغیوں میں باطنیہ بھی تھے اور قرامطہ اور ملاحدہ بھی، یہ اور اس قسم کے دیگر متعدد گروہ عموما مسلمان مملکتوں کا تختہ اُلٹنے کی سازش کرتے رہتے تھے، ظاہر ہے اتنے بڑے جرم کو کوئی مملکت برداشت نہیں کرسکتی، مسلمان حکمران جب ان مجرموں کی واپسی کا مطالبہ کرتے تو پناہ دینے والوں کی طرف سے انہیں کوئی معقول جواب نہ ملتا اور بحالت مجبوری جب وہ ان کی سرکوبی کے لئے خود آگے بڑھتے تو ان باغیوں کی حمایت میں یہاں کے راجہ ان سے جنگ کرتے، اس طرح گویا حملہ کرنے کے لئے خود انہیں کی طرف سے مواقع فراہم کئے جاتے۔

(۲) مسلمان ممالک کی سرحدیں ہندوستان سے مل چکی تھیں، پڑوسی ممالک میں سرحدی تنازعات چلتے ہی رہتے ہیں، ان تنازعات کا تصفیہ کرنے کے لئے سمجھوتے ہوتے تھے، تاریخ شاہد ہے کہ ایسے بیش تر سمجھوتوں کی شرائط توڑنے اور چھیڑ چھاڑ کرنے میں پہل عموما ہندوستان کے راجاؤں کی طرف سے ہوتی تھی، چنانچہ اکثر حملے اس سبب سے بھی ہوئے۔

پہلا جہادی سفر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں مسلمان بحرین کے اس علاقہ پر قابض ہو چکے تھے جس سے ہندوستان وچین کا قدیم زمانہ سے تجارتی تعلق چلا آرہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ہی بہت سارے ہندوستانی عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل پر جمع ہو گئے تھے، غزوۃ الہند کی روایات بھی حضرات صحابۂ کرام کے پیش نظر تھیں، لہذا سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ہندوستان روانہ کیا، حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے تھانہ اور بھروچ پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوئے۔

دوسرا جہادی سفر: حضرت عباد بن زیاد اموی (تابعی) کی سرکردگی میں ہوا، حضرت عباد نے حدود سجستان اور حدود ہند کے کئی مقامات میں سلسلۂ جہاد جاری رکھا، ایک مرتبہ وہ دریائے سندھ عبور کر کے ہندوستان کے بعض علاقوں میں داخل ہوئے اور ''رن کچھ'' تک پہنچے، اس نواح میں کچھ عرصہ ان کا قیام رہا، وہاں سے کندھار کا عزم کیا۔

تیسرا جہادی سفر: محمد بن قاسم نے جب دیبل پر حملہ کر کے اس کو فتح کرلیا تو راجہ داہر وہاں سے بھاگ گیا تھا اور حدود سندھ سے نکل کر راجہ راسل کی راجدھانی ''کچھ'' کے مقام پر پہنچ گیا تھا، اس کے ساتھ کچھ کے ہی علاقہ میں فیصلہ کن جنگ ہوئی اور راجہ داہر مارا گیا،

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ہندوستان (گجرات) کے باقی علاقوں اور شہروں کو فتح کرنے کا عزم کرلیا تھا لہذا بھیلمان پر فوج کشی کی ، وہاں والوں نے مقابلہ نہیں کیا اور شرائط کے مطابق صلح کرلی ، اس کے بعد محمد بن قاسم کی فوج سورٹھ (کاٹھیاواڑ) کی طرف بڑھی ، سورٹھ والوں (یا اس کے کسی ٹھاکرے) نے بھی بغیر مزاحمت کے مسلمانوں کی اعانت گذاری کا اعلان کردیا۔

محمد بن قاسم نے پورے سندھ کو مسخر کیا ، ملتان پر تسلط جمایا اور راجستھان اور گجرات کاٹھیاواڑ کے بہت سے شہروں کو زیر کیا ، مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کرائیں ، مدرسے قائم کئے اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر کئے۔

گجرات کے ایک شہر کھیڑا میں اس کا مجسمہ بنا کر وسط شہر میں نصب کیا گیا ، یہ اس کے بہت بڑے اور عادل امیر ہونے کی دلیل تھی ، اس ضمن میں بلاذری کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں : **فبکی اھل الھند و صوروہ بالکیرج**. یعنی محمد بن قاسم کی موت پر ہندوستان کے لوگ روئے اور کیرج (کھیڑا) میں اس کی تصویری یادگار قائم کی گئی۔

محمد بن قاسم کے سندھ پر حملہ کے موقع سے آپ کے ساتھ آنے والے ایک ممتاز ومشہور قاری اور محدث ''جنید بن عمرو العدوانی المکی'' تھے ، جو مکہ مکرمہ کے جید ومعروف قاری تھے۔

علم حدیث میں بھی ان کا مرتبہ بڑا اونچا تھا ، ثقہ اور کثیر الحدیث راوی تھے ، آل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے ، انہوں نے حمید بن قیس سے روایت کی اور خود ان سے محمد بن عبداللہ بن قاسم نے درس حدیث لیا ، قراءت مجاہد سے سیکھی ، منقول ہے کہ مکہ مکرمہ میں جنید بن عمرو اور عبداللہ بن کثیر سے بڑھ کر کوئی قاری نہ تھا ، آپ ان تبع تابعین میں سے تھے جو فتح سندھ کے موقع پر محمد بن قاسم کے ساتھ برصغیر وارد ہوئے تھے ، محمد بن قاسم نے ساوندری کے مقام پر پہنچ کر ہراور میں قیام کیا تھا ، پھر ہراور سے انہوں نے جنید بن عمرو کو فوج کے ایک دستے کا کمانڈر بنا کر مخالفین اسلام کے خلاف جہاد کے لئے بھروچ روانہ کیا تھا۔

محمد بن قاسم کے حالات میں مدارس قائم کرنے اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر کرنے کا اہتمام دلالت کرتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں وسطی گجرات اور کاٹھیاواڑ میں قرآن کریم کی تعلیم کا نظم ضرور ہوگا ، نیز حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید جنید بن عمرو العدوانی جیسے مشہور قاری کو شہر بھروچ روانہ کرنا بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ نے جہاد کے ساتھ ساتھ لشکر میں اپنے ذوق کے قراء حضرات بھی تیار کئے ہوں گے۔

چوتھا جہادی سفر: ۱۰۷ھ میں عراق کے حاکم خالد عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کی حکومت سے الگ کرکے جنید بن عبدالرحمن کو سندھ کا حاکم بنایا ، (عمر بن مسلم نے سندھ کی ولایت کے درمیان کچھ کو فتح کرکے سندھ کے تابع کردیا تھا) جنید نے رادھن پور کے پاس موجود پنچاسر کو (جو سولنکی راجہ کا پایۂ تخت تھا اور سولنکیوں نے اسے چاوڑا خاندان سے چھین لیا تھا) فتح کرلیا ، سولنکی فوج یہاں سے بھاگ کر امداد کے لئے جنوبی گجرات پہنچی اور بھروچ میں جنگی تیاری کرنے لگی جنید کو جب اس کی خبر ہوئی تو فوراً بھروچ پہنچا اور ایک ہی جنگ میں اس کا خاتمہ کردیا ، پھر جنید نے بھیلمان اور گجرات کو فتح کیا ، یہاں اس کو اتنا مالِ غنیمت ملا کہ زائرین وسائلین کو دینے کے بعد بھی چار کرڑ ورنچ گیا۔

ان فتوحات کی تائید ان کتبوں سے بھی ہوتی ہے ، جو اثری تحقیقات کے ماتحت برآمد ہوئے ہیں ، یہ چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے ، چنانچہ پول کیشی جناشر کے عہد کا ایک کتبہ ہے ، جس میں تحریر ہے :

''عرب لشکر نے سندھ ، کچھ ، سوراسٹھ ، چاوڑا ، موریا (ماڑ واڑ یا مالوہ) اور بھیلمان کی سلطنت کو حیران کیا۔''

یہ کتبہ (بعہد پول کیشی) ۷۳۸ء کا ہے، گویا اصل واقعہ سے دس بارہ برس بعد کا ہے۔

پانچواں جہادی سفر: جنید کے حملے کے بعد عربوں نے تقریباً ۳۰ یا ۳۲ سال تک گجرات کی طرف رخ نہیں کیا، ۱۳۲ھ میں اموی کی جگہ عباسی حکومت پر فائز ہوئے اور دمشق کے بجائے بغداد کو اپنا دارالخلافت بنایا، اس انقلاب نے ہندوستان کو عرب سلطنت سے بہت قریب کر دیا، عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۱۴۰ھ میں ہشام بن عمر تغلبی کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا، ہشام نے سندھ کے اندرونی حالات درست کر کے گجرات کی طرف توجہ مرکوز کی اور گجرات کے ایک مرکزی مقام بھاڑ بھوت (بھروچ سے قریب ۱۵ رکلومیٹر پر واقع ہے) کی طرف عمرو بن جمل کی سرکردگی میں ایک بحری فوج روانہ کی، پھر خود ہی مزید تیاری کر کے گندھار (بھروچ) پر حملہ آور ہوا، اس کو فتح کر کے چند روز قیام کیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی، یہ سندھ کے علاوہ ہندوستان میں پہلی مسجد تھی۔

ہشام کے عہد حکومت میں ملک میں شادابی اور خوش حالی آ گئی، لوگ اس کو برکت سمجھتے تھے، اس نے سرحدوں پر پورا قابو حاصل کر لیا تھا اور تمام معاملات کو مستحکم کر دیا۔

چھٹا جہادی سفر: ۱۴۰ھ سے ۱۵۸ھ تک عرب تاجروں کو گجرات سے کوئی شکایت نہیں ہوئی، البتہ عباسی خلیفہ مہدی (۱۵۸ھ) کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے دوسرے سال ۱۵۹ھ میں اس نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کی سرکردگی میں سرکاری اور غیر سرکاری (رضا کار) فوجوں کی ایک بڑی تعداد بھاڑ بھوٹ کی طرف روانہ کی اور ۱۶۰ھ میں اس کو فتح کیا۔

ان فوجوں میں والنٹیر بھی بہت تھے اور غالباً ان کے افسر ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی بصری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا، انہوں نے ایک دوسرے کو جہاد کے لئے بڑا جوش دلایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گجراتی مسلمانوں کے پر جوش حملوں کو نہ روک سکے، گجراتی شہر میں چلے گئے اور پھاٹک بند کر دیا، عرب فوج نے اس سختی سے محاصرہ کیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے، آخر ایک دن عرب فوج بزور شہر میں گھس گئی اور شہر فتح ہو گیا۔

اسی طرح چھٹے حملہ میں آنے والے رضا کار مجاہدین میں محدث جلیل ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ قرآن وحدیث کے دیگر ماہرین بھی ضرور ہوں گے، لیکن چوں کہ ان حضرات کے حالات تاریخ بلاذری، طبقات ابن سعد اور فتوح البلدان وغیرہ میں نہایت ہی مختصر طور پر مذکور ہیں، لہذا حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔

ساتواں جہادی سفر: خلیفہ مأمون اور معتصم کے زمانہ میں (۱۹۸ھ) جنوبی گجرات کے ایک مشہور سمندری مقام سندان (سنجان) پر بنو سامہ کے آزاد کردہ غلام فضل بن ماہان نے قبضہ جمایا اور اپنی خود مختار حکومت قائم کی، جو اس کے بعد اس کے لڑکے محمد بن فضل اور ماہان بن فضل کی باہمی خانہ جنگی میں ۳۰ رسال کے عرصہ میں تباہ ہو گئی۔

اس طرح ابتدائی دو صدیوں کی آمد و رفت کے نتیجہ میں گجرات کے کناروں پر واقع متعدد بندرگاہوں میں مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہو گئی، جس کی شہادت تیسری صدی اور چوتھی صدی ہجری میں آنے والے عرب سیاحوں نے دی ہے۔

۱۶۰ھ کے بعد سے سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک کے حالات بھی بظاہر بہت واضح نہیں ہیں، لیکن حسن اتفاق سے سندھ میں اسلامی حکومت کے قیام اور گجرات میں ۷۷۰ء مطابق: ۱۶۰ھ میں چالوکیہ خاندان کا خاتمہ ہونے کے بعد گجرات کا دکن کے راشٹ کوٹ راجاؤں کے ماتحت ہونے نے راشٹ کوٹ راجاؤں کو مسلمانوں سے قریب کر دیا، راشٹ کوٹ راجاؤں کا لقب ''ولبھ رائے'' تھا، اس

خاندان کے بعض راجہ مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ اور دوست گذرے ہیں، انہیں کے عہد حکومت میں عرب تاجر اور مہاجر گجرات میں ہزاروں کی تعداد میں آئے اور مستقل اقامت اختیار کرلی، حسن اتفاق سے اس دور میں مسلمان تاجر اور مؤرخ گجرات میں آئے اور انہوں نے اپنے سفرناموں میں مسلمانوں کے جو احوال پیش کئے ہیں، ان سے محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان اس دور میں گجرات میں نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے اور ان کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی مکمل آزادی تھی، ابن خردازبہ (آمد: ۲۱۱ھ، مطابق ۸۲۶ء، وفات: ۳۰۰ھ، مطابق ۹۱۲ء) نے اپنی تاریخی کتاب ''**المسالک والممالک**'' میں ان راجاؤں کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح تیسری صدی ہجری کے دوسرے سیاح ''سلیمان تاجر'' نے اپنی کتاب ''**سلسلة التواریخ**'' (جس کی تکمیل بعد میں ابوزید سیرفی م: ۲۳۷ھ نے کی) میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے، ''بزرگ بن شہریار'' نے تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل میں گجرات کا سفر کیا تھا، انہوں نے ''عجائب الہند'' میں اور مسعودی (م: ۳۴۶ھ) نے ''**مروج الذهب ومعادن الجوهر**'' میں بھی کافی کچھ لکھا ہے، جس سے اس دور کی کچھ تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔

ان کے علاوہ علامہ بلاذری (م: ۲۷۹ھ، مطابق: ۸۹۲ء) نے فتوح البلدان میں، یعقوبی (م: ۲۸۴ھ مطابق: ۸۹۷ء) نے تاریخ یعقوبی میں، ہمدانی (۲۷۹ھ کے بعد) نے کتاب البلدان میں، ابن رستہ (م: ۲۹۰ھ) نے ''**الاعلاق النفیسه**'' میں، طاہر مقدسی (چوتھی صدی ہجری کا وسط) نے کتاب البدء والتاریخ میں، اصطخری (۳۴۰ھ، مطابق: ۹۵۱ء) نے **المسالک والممالک** میں اور بشار مقدسی (م: ۳۷۵ھ مطابق: ۹۸۵ء) نے **احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم** میں تفصیل سے گجرات کے احوال ذکر کئے ہیں۔ (واضح ہو کہ اصطخری کو یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ وہ ابن حوقل کے ہم عصر ہیں، بلکہ دونوں کی ہندوستان میں ملاقات بھی ہوئی تھی۔)

لیکن افسوس ہے کہ ان تمام حضرات نے گجرات کے تاریخی، جغرافیائی اور سیاسی حالات پر زیادہ تبصرہ کیا ہے، مسلم آبادی کے دینی احوال اور تعلیم وتعلم کے ذرائع کے سلسلہ میں سوائے چند اشاروں کے وہ عمومی طور پر خاموش ہیں، اس لئے اس دور میں مسلم آبادی اچھی خاصی تعداد میں ہونے کے باوجود صحیح صورت حال واضح نہیں ہو رہی ہے۔

اصطخری اور مسعودی نے مساجد اور شرعی احکام وقوانین کی مناسب رہنمائی کے لئے باصلاحیت وذی استعداد افراد کے تقرر کی بات ذکر کی ہے، چنانچہ اصطخری اپنی کتاب ''**المسالک والممالک**'' میں لکھتے ہیں:

> ''کھنبایت سے راجہ بلہرا کے شہر چیمور تک سب ہندوؤں کے شہر ہیں، مگر ان میں کچھ مسلمانوں کی بھی آبادی ہے اور راجہ بلہرا کی طرف سے کوئی مسلمان ہی ان کے معاملات کا نگران ہوتا ہے، ان شہروں میں مسجدیں اور جامع مسجدیں ہیں، جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، بلہرا کی راجدھانی کا نام مہانگر ہے جہاں وہ رہتا ہے، اس کی سلطنت بہت وسیع ہے۔''

چوں کہ ابتداء میں عرب تاجر کی حیثیت سے آئے تھے، اس لئے اس زمانہ میں ان کا تعلق ان ہی علاقوں سے ہوا، جہاں بندرگاہیں تھیں، اس زمانہ میں سب سے زیادہ بندرگاہیں جنوبی ہند میں، اس کے بعد سندھ، گجرات اور بلوچستان میں تھیں،

چنانچہ جہاں جہاں ان کی آبادی زیادہ تھی، وہاں ان کا الگ نظام قضاء تھا اور ان کے معاملات ومقدمات کے فیصلہ کے لئے ہندو راجہ کی جانب سے مسلمان قاضی یا حاکم مقرر تھے، جو ہنرمند کہلاتے تھے، ہندو راجاؤں کے مسلمان وزیر ومشیر تھے، بعض راجاؤں

نے جن کو حق کی تلاش تھی؛ اسلام کے متعلق تحقیقات کے لئے اپنے سفیر عرب بھیجے اور مسلمان بزرگوں کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے، پھر ان کے اثر سے ان کی رعایا میں بھی اسلام کی اشاعت ہوئی، یہ سارے حالات عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

ابن خرداذبہ نے جس راجہ بلہرا کا ذکر کیا ہے، اس کا نام مودگھ ورش ولبھ رائے ہے، اس کی حکومت کا زمانہ ۸۱۵ء سے ۸۷۷ء تک ہے، اس راجہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں بڑی فتوحات حاصل کیں، حسن انتظام کے لحاظ سے بھی یہ بہترین راجہ تھا، اسے عربوں سے بڑی محبت تھی، آخر عمر میں تخت سے دست بردار ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گیا تھا اور اس کا لڑکا اس کا جانشین ہوا۔ (تاریخ گجرات)

محمود غزنوی سے لے کر خود مختار سلطنت کے قیام تک کا دور:

سلطان محمود غزنوی کا گجرات پر حملہ خود ایک بزرگ مانگرولی کی گجرات میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کی داستان سننے پر ہوا تھا، جو اس وقت گجرات میں مسلم آبادی کے وجود کا ثبوت بھی پیش کر رہا ہے، سلطان کے حملہ کے بعد بھی وقتی طور پر حالات کے تلخ ہونے کے باوجود مسلمان داعیوں کی مسلسل آمد و رفت جاری رہی، اسی دور میں بھروچ میں ''بابا ریحان'' اور ان کے رفقاء کی آمد ہوئی، البیرونی نے بھی قریب قریب اسی دور میں یہاں کا سفر کیا، الادریسی (۴۹۳ھ) نے ''نزهة المشتاق فی اختراق الآفاق'' میں اور قاضی رشید بن زبیر (۴۶۲ھ) نے ''الذخائر و التحائف'' نامی کتاب میں گجرات کے حالات ذکر کئے ہیں۔

اسی دور سے متعلق علامہ سید عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی حالات نقل فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود غزنوی کو گجرات کا خیال پیدا ہوا اور اسی ارادہ سے وہ ملتان سے نکل کر نہایت دشوار گذار راستہ طے کرتے ہوئے، ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے نہر والہ پہنچا، اسے فتح کر کے دیولواڑہ کو بھی تہہ تیغ کیا، پھر سومناتھ کا قصد کیا، جہاں تمام دشواریوں پر غالب آتے ہوئے فتح حاصل کر کے بے شمار مال و دولت لے کر بخیر و خوبی لوٹ گیا۔

پھر ۵۷۴ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے گجرات پر دھاوا کیا، اس وقت کے راجہ بھیم دیو سے سخت مقابلہ ہوا، جس میں شہاب الدین کو شکست اٹھانی پڑی۔ ۵۹۱ھ میں قطب الدین ایبک نے اپنے آقا شہاب الدین غوری کی اجازت سے گجرات پر حملہ کیا اور بھیم دیو کو شکست فاش دی، پھر اسی قطب الدین ایبک کو ۵۹۷ھ میں شہاب الدین نے دوبارہ حملہ کی غرض سے بھیجا، اس بار بھی قطب الدین فاتح رہا، اس کے بعد علاء الدین خلجی کا دور آیا، چنانچہ اس نے ۶۹۶ھ میں ''اُلغ خان'' کو تسخیر گجرات کے لئے روانہ کیا، اس وقت راجہ کرن حکومت کا ذمہ دار تھا، اس نے کسی طرح اپنی جان بچائی، لیکن الغ خان نہ صرف فتحیاب ہوا بلکہ مال کثیر اور شاہی افراد پر بھی قابض ہو گیا تھا، اسی الغ خان نے بیس برس تک گجرات میں نہایت خوش اسلوبی سے حکمرانی کی اور ملک کو فتنہ و فساد سے پاک کر دیا۔

(یاد ایام، ص: ۴۷، ۴۸)

برعظیم ہند میں مختلف مسلمان حکومتوں کے عہد میں عربی علوم اور علماء کی مختلف کیفیات رہی، ان میں ایک سلطنت گجرات ہے، اس کا آٹھویں صدی کا دور زرین اور شاندار رہا، اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر زبید احمد رقم طراز ہیں: احمد شاہ اول نے شہر احمد آباد کی بنا ڈالی تھی جو دار السلطنت بنا اور ایک بڑے علمی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہوا، جہاں بادشاہوں کی فیاضی و سرپرستی کی بدولت علماء و فقہاء بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے، اس سلطنت کے قیام سے پہلے زائرین حج بالعموم برّی راستے کو بحری راستہ پر ترجیح دیتے تھے؛ مگر جب سلاطین گجرات کافی طاقتور ہو گئے اور ان کا اقتدار ساحلی علاقوں تک پھیل گیا تو انہوں نے بحری سفر کو منظم و محفوظ کر دیا، جس سے ایک تو حاجیوں

کے لئے بڑی سہولت ہوگئی اور دوسرے بہت سے علماء عرب سے آکر احمد آباد اور دکن کی ریاستوں میں سکونت اختیار کرنے لگے، ان علماء کی آمد سے احمد آباد رفتہ رفتہ اسلامی علوم کا اہم مرکز بن گیا۔

احمد شاہ اول کے عہد میں گجرات آنے والے ایک بڑے عالم وجیہ الدین بن محمد مالکی تھے، جن کو بادشاہ نے ملک المحدثین کا خطاب دیا تھا، جنہوں نے گجرات میں علم حدیث کی تعلیم کو بہت فروغ دیا، ایک اور بیرونی عالم ابن الدمامینی بھی قابل ذکر ہیں، یہ مصر سے ہند آئے تھے اور احمد شاہ اول کے لئے کئی کتابیں لکھی تھی۔

عرب اور گجرات کے درمیان آمد ورفت کی سہولت ہوجانے کی وجہ سے اس عہد میں گجرات میں عربی کے کئی مشہور مصنف ہوئے، مثلاً قاضی چکن (متوفی: ۹۲۰ھ) جنہوں نے فقہ کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور محمد بن طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) جو ایک مشہور معجم حدیث اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اور ایک مصنف جو شاہی دربار سے منسلک تھے، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان کا نام عبداللہ محمد بن سراج الدین عمر نہروالی الغ خانی ہے اور یہ حاجی دبیر کے نام سے مشہور ہے، حاجی دبیر نے گجرات کی ایک تاریخ لکھی تھی، جسے سر ڈینی سن راس نے تین جلدوں میں مرتب کرکے اس پر بہت عمدہ مقدمہ لکھا ہے۔

سلطنت گجرات پر مغلوں کا قبضہ ہوجانے کے بعد بھی بہت عرصہ تک یہاں عربی میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا، اس زمانے کے مصنفین میں شیخ وجیہ الدین، سید صبغۃ اللہ بھروچی، عبدالقادر العیدروس اور نورالدین گجراتی خاص قابل ذکر ہیں، اور ان سب نے کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔ (عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ۲۲، ۲۳)

عرب اور گجرات کے علمی روابط

صوبہ گجرات کا تعلق عرب ممالک سے بہت قدیم ہے اور وہ تعلقات رفتہ رفتہ اس طرح ترقی کر گئے کہ گجرات میں ایک شاندار اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور ان بادشاہوں کی علم دوستی اور علمی سرپرستی کی بنیاد پر علماء کی گجرات میں بکثرت آمد ہوئی اور گجرات بقول مولانا سید حکیم عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ شیراز ویمن کا ہمسر بن گیا۔

سید ظہیر الدین مدنی رقم طراز ہیں: گجرات میں نفوس قدسیہ کی آمد ساتویں عیسوی (پہلی صدی ہجری) سے پائی جاتی ہے، ہجری کے ابتدائی برسوں میں جو عرب بیڑے بھروچ، بھاڑ بھوٹ، گندھار وغیرہ کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوئے، ان میں تابعین اور تبع تابعین بھی تشریف لائے تھے، سورت کے مقابل ''راندیر'' ایک زمانہ میں اہم بندرگاہ تھی، راندیر میں ایک تبع تابعی کے مزار کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے، خلیفہ سفاح عباسی ۷۴۹ء کے عہد میں کوفہ سے ایک مومن قبیلہ راندیر آیا تھا، ان لوگوں نے راندیر میں اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی تھی، ۱۱۵۶ء میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی، وہ اب تک موجود ہے، ۱۱۲۹ء میں جب سلطان صلاح الدین نے مصر پر قبضہ کرلیا تو وہاں کے بعض اسماعیلیوں نے گجرات میں پناہ لی، ایک شخص نورالدین ستاگر نامی سات اماموں کی تبلیغ کرتا تھا، گیارہویں صدی میں گجرات میں تبلیغ میں مصروف پایا جاتا ہے، اس نے ۱۰۹۴ء میں وفات پائی، مستنصر باللہ ۱۰۹۴ء کے عہد میں احمد نامی ایک شخص کو بغرض تبلیغ بھیجا گیا تھا، اس وقت گجرات میں راجہ سدھ راج جے سنگھ حکمران تھا، گجرات میں صوفیاء کی آمد کا سلسلہ راجہ سدھ راج کے باپ راجہ کرن سولنکی ۱۰۷۲ء تا ۱۰۹۴ء کے عہد سے پایا جاتا ہے، حضرت حاجی ہود اولین بزرگ ہیں، جنہوں نے نہروالا پٹن میں سکونت اختیار

کی اور ۱۱۴۱ء میں وہیں وفات پائی، شیخ احمد عرفاتی متوفی ۱۲۴۷ء، بابا حاجی متوفی ۱۲۱۷ء، شیخ احمد دہلوی المعروف بہ بابا دھلیا (خلیفہ شیخ محی الدین علوی دہلوی) متوفی ۱۱۶۰ء، حضرت قاضی محمود دریائی کے جد اعلیٰ شاہ علی سرمست اور دیگر نے گجرات کو اپنا وطن ثانی بنالیا اور رشد وہدایت کی خدمت انجام دی۔ (سخنوران گجرات: ۲۴)

لیکن گجرات میں ایک دور انتہائی روشن اور قابل ذکر بھی گذرا ہے، جس طویل عرصہ میں مسلمان حکمرانوں کی علم دوستی اور علماء ومحدثین کی تشریف آوری سے گجرات اور خاص کر اس کے ساحلی علاقوں میں علوم دینیہ کی اشاعت خوب تیزی سے ہوئی اور یہاں سے بھی حصول علوم دینیہ کی غرض سے علماء گجرات کی عرب تشریف بری ہوئی، یہ روشن ترین دور تقریبا ۳؍صدیوں پر مشتمل ہے، یعنی ۸، ۹ اور ۱۰ ویں صدی ہجری۔

اس قدر تیزی سے گجرات میں علوم دینیہ کی اشاعت اور ترقی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر محبوب حسین عباسی رقم طراز ہیں: گجرات میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہونے کے فورا بعد جس سرعت سے علوم دینیہ کی ترقی وترویج عمل میں آئی اس کے درج ذیل دو اہم اسباب معلوم ہوتے ہیں:

(۱) عرب ممالک اور گجرات کے درمیان قرب مکانی اور (۲) سلاطین اور امرائے گجرات کی علم دوستی۔

(۲) دوسرا سبب گجرات کے سلاطین وامراء کی علم دوستی اور علم پروری تھا، گجرات میں مسلمانوں کے اقتدار کے قیام سے پیشتر جو راجپوت راجے مہاراجے حکومت کرتے تھے، وہ بھی وسیع المشرب اور روشن خیال حکمران تھے۔

گجرات کے اس وقت کے پایۂ تخت انہلواڑ (نہر والا پٹن) میں بسنے والے مسلمان سوداگروں اور گجرات کی اس وقت کی سب سے بڑی اور پر رونق بندرگاہ کھمبایت میں رہنے والے مسلمان تاجروں کو گجرات کے راجپوت راجاؤں نے بڑی مراعات دے رکھی تھیں، یہاں تک کہ دینی امور میں انہیں مکمل آزادی حاصل تھی اور ان کے لئے خطیب وقاضی باہر کے ممالک سے بلائے جاتے تھے، جب آٹھویں صدی ہجری (چودہویں صدی عیسوی) میں گجرات میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا، تب مسلمانوں کے لئے فضا ہموار تھی اور علوم دینیہ کی اشاعت کا سامان فراہم تھا، ایسے میں گجرات میں ایک خود مختار اسلامی حکومت کے قائم ہوجانے سے درس وتدریس کے کاموں کو تقویت ملی، خاص طور پر مظفری خاندان کے حکمران طبقہ نے وہ کام کیا، جس کی مثال ہمیں مصر اور بغداد کی عہد وسطی کی خلافتوں میں ملتی ہے۔

سلطان احمد شاہ اول کی علم پروری کی شہرت حجاز ومصر تک پہنچ چکی تھی، ان کی شہرت سن کر سب سے پہلے بدرالدین دمامینی (متوفی ۸۲۷ھ/ ۱۴۲۴ء) نامی مصر کے عالم محدث نے ۵۷؍سال کی پختہ عمر میں گجرات کا سفر اختیار کیا اور کھمبایت نیز پٹن میں قیام کرکے اپنی تصانیف سلطان احمد شاہ اول کو منسوب کیں، سلطان احمد شاہ اول عدل وانصاف، تقوی وپرہیز گاری اور سخاوت کے معاملہ میں بے نظیر تھے، سن بلوغ سے لے کر آخری عمر تک ان کی صبح کی نماز کبھی قضاء نہیں ہوئی تھی۔

سلطان احمد شاہ کے پوتے فتح خان عرف سلطان محمود شاہ بیگڑہ کا پچاس سالہ دور حکومت گجرات میں علوم دینیہ کی ترقی کا زرین دور شمار ہوتا ہے، ان کا دربار عرب اور دیگر ممالک کے علماء دین سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا، ان کے زمانۂ حکومت میں حجاز، یمن اور مصر سے گجرات آنے والے مشاہیر علماء ومشائخ میں علامہ ابن سوید، حدیث میں جن کی فضیلت کے پیش نظر سلطان محمود نے انہیں ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا تھا، سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں، سلطان مظفر ثانی کی سرپرستی حاصل کرنے والوں میں قاضی جمال الدین بحرق اور شیخ ابو القاسم ابن فہد کا بھی شمار ہوتا ہے، جو اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے تھے، گجرات میں آکر علوم دینیہ کی خدمت اور اس کی اشاعت کرنے والے علماء

کی فہرست بہت طویل ہے، یہاں صرف مشاہیر علماء کے نام لئے جاتے ہیں:

(۱)علامہ شہاب الدین عباسی مصری (۲)حافظ نورالدین ابوالفتاح الطاؤسی (۳) شیخ بن عبداللہ العیدروس(۴)علامہ جمال الدین محمد العمودی(۵)ابوالسعادات الفاکہی(۶)مولانا نورالدین شیرازی۔

مذکورہ بالاعوامل کے نتیجہ میں گجرات کے تعلقات حجاز، یمن اور مصر کے ساتھ قریب تر ہوتے گئے، گجرات کے چند بڑے شہر مثلاً احمد آباد، پٹن، بھروچ اور سورت تو ملک حجاز کا حصہ معلوم ہونے لگے تھے، ان تعلقات میں حکومت اور سیاست کو بہت زیادہ دخل نہیں تھا، ان کی بنیاد تجارت، ثقافت اور تعلیم و تعلم کے عمل پر رکھی گئی تھی، ان سے دونوں طرف کے عوام وخواص متاثر ہوئے تھے، ان کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عرب مؤرخین نے اپنی تصانیف میں گجرات کو اہم مقام عطا کیا اور گجراتیوں کے علوم دینیہ کے میدان میں کارہائے نمایاں کا خاص ذکر کیا ہے۔(گجرات کے علماء حدیث وتفسیر:۶)

اس مختصر جائزہ سے ایک بات کا پتہ چلتا ہے کہ گجرات میں علوم دینیہ اور خاص طور پر علم حدیث وتفسیر کی عام اشاعت سے پیشتر زمین ہموار اور فضا سازگار ہو چکی تھی۔

گجرات میں نویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی ہجری (مطابق پندرہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی عیسوی) تک کے پانچ سو سالہ دور میں تمام قسم کے علوم دینیہ کی ترقی وترویج ہوئی ہے۔(گجرات کے علماء حدیث وتفسیر:۶)

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور علوم دینیہ کی ترویج ایک مسلسل عمل ہے، جس میں مختلف افراد اور گروہوں کی کوششیں رہی ہیں، یہ کاوشیں ابتداء عہد اسلامی سے جاری ہیں اور ان کا سلسلہ ہنوز قائم ہے، کیوں کہ اشاعت اسلام میں جبر کا عنصر نہیں ہے۔

گجرات کا علاقہ زمانہ قدیم سے علماء کا گہوارہ ہے، شیراز ویمن سے علماء وہاں پہنچے اور درس وافادہ کی مسند بچھائی اور ان کے مسند درس سے بڑے بڑے اہل فضل وکمال کامیاب ہو کر نکلے اور اس طرح سے گجرات کے چپہ چپہ میں اور دکن اور مالوہ میں علم کی شعاعیں روشن ہوئیں، شیراز ویمن سے گجرات آنے والے علماء میں بدرادین الدمامینی، خطیب گاذرونی اور عمادالدین طارمی وغیرہ تھے۔

خطیب ابوالفضل گاذرونی اور عمادالدین محمد طارمی جب گجرات اور امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور پہنچے اور اپنے ساتھ یہ علماء محقق دوانی، صدرالدین شیرازی اور فاضل مرزاجان کی کتابیں ساتھ لائے تو لوگوں نے ان کتابوں کو بڑے شوق سے قبول کیا۔

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی ان میں بڑے مشہور عالم گزرے ہیں، انہوں نے نصاب درس میں فلسفہ وحکمت رائج کیا، وہ بہت طویل مدت تک درس وافادہ کی مسند پر متمکن رہے اور ان کے بہت سے شاگرد فاضل وعالم بن کر نکلے، جن میں قاضی ضیاء الدین نیوتنی بھی ہیں، ان کے شاگرد جمال کوڑوی اور ان کے شاگرد لطف اللہ کوڑوی ہیں، شیخ لطف اللہ کوڑوی کے شاگردوں میں شیخ احمد بن سعید امیٹھوی، شیخ علی اصغر قنوجی، قاضی علیم اللہ گجندوی اور شیخ محمد زماں کاکوڑوی ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سے شاگرد تھے اور ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ پر درس وافادہ کی مسند بچھائی۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے بعض علماء حج وزیارت کے لئے حجاز تشریف لے گئے اور وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا اور ان کے ذریعہ ہندوستان میں علم حدیث پہنچایا، مثلاً صاحب مجمع البحار شیخ محمد بن طاہر پٹنی، شیخ یعقوب بن حسن کشمیری اور شیخ عبدالنبی گنگوہی وغیرہ ہیں اور بعض علماء نے گجرات آکر درس وافادہ کی مسند بچھائی، مثلاً شیخ عبدالمعطی، شیخ عبداللہ اور رحمت اللہ وغیرہ۔

اس طرح حدیث کا علم گجرات کے اطراف میں رواج پذیر ہوا۔(اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں:ص:۳۶،۴۱،۴۳-۴۳)

علماء گجرات میں محدثین،مفسرین کے ساتھ ساتھ فقہاء وقضاۃ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہے؛ حالانکہ ان کی فہرست بھی طویل ہے،ان کی فقہی خدمات اور فتاوی سے مدت مدیدہ تک لوگ فیضیاب ہوتے رہے،ان کی تصانیف کے مخطوطات آج مکتبات کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون جاری رہااور اسلامی حکومتیں کسی نہ کسی حد تک دین کی ذمہ داری محسوس کرتی رہیں،اس وقت تک ایک طرف محکمۂ عدلیہ قضاء کا نظام جاری رہا اور دوسری طرف علماء امت کے ذریعہ ہر وقت افتاء کا کام ہوتا رہا، اسلامی حکومتیں دارالافتاء کی طرح دارالقضاء کی سرپرستی بھی کرتی رہیں،اسی وجہ سے فقہاء کی تصریح کے مطابق قاضی کے لئے علوم فقہ سے واقفیت ضروری اور شرط کے درجہ میں ہے،لہذا ہر قاضی کے لئے فقہ سے شناوری ضروری ہے۔

علماء گجرات میں بکثرت ایسی شخصیتیں گذری ہیں،جن کو متعدد علوم وفنون اور اصناف کمال میں دخل اور مشارکت رہی ہے،ان کے احوال زندگی اور خدمات دینیہ کے پیش نظر ان کی شخصیت جامع علوم وکمالات نظر آتی ہے۔

ایک ہی وقت میں ایک عالم فقیہ بھی تھا،محدث ومفسر بھی،اصولی اور متکلم بھی،ماہر مدرس اور کامیاب مصنف بھی؛لیکن اس جامعیت کے باوجود کوئی نہ کوئی ایک ذوق اس پر ایسا غالب رہااور ایک فن اس کی علمی زندگی میں ایسی مرکزی حیثیت کا حامل رہا،جو اس کے لئے اس کے زمانہ اور طبقہ میں اس کا مابہ الامتیاز بن گیا ،اس میں اس کے معاصرین پر امتیاز سب کو تسلیم تھا۔(فقہاء گجرات اور ان کی فقہی خدمات:ص:۱۵،۱۶)

خلاصہ یہ ہے کہ گجرات ایک خاصی اہمیت رکھنے والا خطہ ہے،وہ اپنی مختلف خصوصیات میں شاندار علمی تاریخ کا حامل رہا ہے،اسلامی خصوصیات کے دائرہ میں یہاں کے اہل علم نے ایک شاندار تاریخ بنائی ہے، بڑے جید اور ممتاز علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے علمی میدانوں میں درس وتدریس کے کاموں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے اہم علمی کارنامے انجام دیئے ہیں،ان کارناموں میں متعدد کام اپنے موضوع پر اعلی مقام رکھتے ہیں،اس طرح گجرات صدیوں تک علم وفن کا مرکز ،ارباب ہنر کا گہوارہ،ارشاد وتلقین کا سرچشمہ اور اقتصادی ترقیات کے ساتھ ایک سرگرم تجارتی منڈی بھی رہا،روحانی اور مادی زندگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع کی گئی تھیں،بعض اعتبار سے ہندوستان کے قرون وسطی کی تاریخ میں اس کو پورے ملک میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور اسلام کے تعلق کے لحاظ سے ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا،جس کے سرسبز پہاڑوں پر سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہ پڑی تھی، ارض ہند سے عربوں کے تعلق کی ابتداء حقیقتاً اسی خطۂ زمین سے ہوئی،حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عربوں نے سواحل گجرات پر قدم رکھا۔

گجرات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں علامہ شمس الدین سخاوی،علامہ ابن حجر مکی وغیرہ کے تلامذہ کافی تعداد میں آکر بس گئے تھے اور انہوں نے علم حدیث کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگیاں گزار دی تھیں، یہاں کی درس گاہیں اور خانقاہیں ہندوستان ہی نہیں ؛ بلکہ بیرون ہند سے تشنگان علم ومعرفت کو کھینچتی تھیں،سولہویں اور سترہویں صدی ہجری میں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ دینی اور ثقافتی زندگی کا مرکز ثقل گجرات کی طرف منتقل ہوگیا اور شاید ہی کوئی دینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحر عالم موجود نہ ہو۔

سترہویں اوراٹھارہویں صدی میں گجرات کے مفتیان کرام

اور

فتاوی نویسی کا ارتقاء

ہندوستان کے نصاب ونظام تعلیم کی عہد بہ عہد تاریخ

حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب اپنی کتاب ''الثقافة الاسلامية فى الهند'' (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں مترجم مولانا ابوالعرفان ندویؒ) میں فرماتے ہیں:

مصنفین اور مؤرخین نے ہندوستان کے بادشاہوں، امراء اور صوفیائے کرام وشعراء کے حالات میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت محنت بھی کی ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان کی علمی تاریخ نہایت تاریکی میں ہے، ہم صحیح طور پر اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ وقتاً فوقتاً نصاب درس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں، تاریخ سے اسی قدر سراغ ملتا ہے کہ اس سرزمین میں فاتحان ہند کے ساتھ ساتھ علم آیا تھا اور جو تبدیلیاں عراق وماوراء النہر میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں، اس کا اثر یہاں کے نصاب پر بھی پڑتا تھا۔

سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے ریگستانوں میں علم کے ذرے چمکے اور ان کی جگمگاہٹ اتنی بڑھتی گئی کہ رفتہ رفتہ سارے ہندوستان میں ان کی روشنی پھیل گئی، اور جب ملوک غزنویہ نے لاہور کو ہندوستان کا دارالسلطنت قرار دیا، تو اس شہر نے سب سے پہلے اس روشنی سے فائدہ اٹھایا۔

جب دہلی فتح ہوئی تو بادشاہوں کی قدردانی سے علمائے باکمال ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر دہلی آنے لگے اور ایسے جلیل القدر علماء دہلی میں مجتمع ہو گئے، جن کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔

غیاث الدین بلبن کے زمانے میں شمس الدین خوارزمی، شمس الدین قوشجی، برہان الدین بلخی، برہان الدین بزاز، نجم الدین دمشقی، کمال الدین زاہد، وغیرہ جیسے بیسیوں صاحب کمال تھے، جن کے علم وفضل سے دہلی کا کوچہ کوچہ قرطبہ اور بغداد کا نمونہ بن رہا تھا۔

علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ظہیر الدین بھکری، فرید الدین شافعی، حمید الدین مخلص، شمس الدین نحیی، محی الدین کاشانی، فخر الدین ہانسوی، وجیہ الدین رازی، تاج الدین مقدم، وغیرہ چھیالیس علماء ایسے پایہ کے تھے، جن کی نسبت ضیاء الدین برنی جیسے مشہور مؤرخ کا خیال یہ ہے کہ دنیا میں ان کا جواب نہیں تھا۔

محمد شاہ تغلق کے زمانے میں معین الدین عمرانی، قاضی عبدالمقتدر، مولانا خواجگی، شیخ احمد تھانیسری جیسے باکمال علماء تھے، جن کے دامن تربیت میں پرورش پا کر شہاب الدین دولت آبادی ملک العلماء بن کر نکلے اور ایک دنیا کی نگاہیں ان کی طرف اٹھنے لگیں۔

فیروز شاہ کے عہد میں جلال الدین رومی تشریف لائے اور شاہی مدرسہ میں پرنسپل کی خدمات ان کو سپرد کی گئیں، نجم الدین سمرقندی بھی اسی زمانے میں دہلی آئے، اور اپنے فضل وکمال سے لوگوں کو مالا مال کرتے رہے۔

سکندر لودی کے زمانے میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ دو نامور عالم ملتان سے آئے اور انہوں نے منطق وحکمت کا معیار بڑھا کر

نصاب میں نمایاں زور پیدا کر دیا۔

اکبر کے زمانے میں شاہ فتح اللہ شیرازی نے آکر عضد الملک کے خطاب سے عزت پائی اور تمام ملک میں ان کی دھوم مچ گئی، اسی زمانے میں حکیم شمس الدین اور ان کے بھانجے حکیم علی گیلانی کی وجہ سے طب کو فروغ ہوا اور شیخ عبد الحق نے حدیث کو رواج دیا۔

شاہ جہاں اور عالم گیر کے عہد حکومت میں میر زاہد کا ستارہ اقبال چمکا اور ان کی موشگافیوں نے تاج فضیلت میں چار چاند لگا دیے، گویا درس نظامیہ کی بنیاد ان ہی کے پرزور ہاتھوں کی ڈالی ہوئی ہے، ان ہی کے سلسلۂ تلمذ میں قاضی مبارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور خاندان تھا، جس میں جناب شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر، مولوی عبد الحئ، شاہ محمد اسمعیل، مولوی محمد اسحاق، مولوی رشید الدین خان، مفتی صدر الدین خان، مولوی مملوک العلی وغیرہ جیسے نامور علماء اور مدرسین پیدا ہوئے۔

لاہور میں علم کا نشو ونما دہلی سے پہلے ہوا تھا، مگر دہلی کی ترقی نے اس کو چندروز کے لیے دبا دیا تھا، آخر آخر پھر اس نے سنبھال لیا اور جمال الدین تلہ، کمال الدین کشمیری، مفتی عبد السلام، ملا عبد الحکیم سیال کوٹی وغیرہ مشاہیر کی وجہ سے ایک مدت تک علم کا چرچا رہا اور ان سے ہزاروں طلبہ فیض یاب ہوئے۔

جونپور میں سلاطین شرقیہ کی قدردانی سے شیخ ابو الفتح شہاب الدین دولت آبادی، مولانا الہداد، محمد افضل استاذ الملک، ملا محمود صاحب شمس بازغہ، دیوان عبد الرشید، مفتی عبد الباقی، ملا نور الدین جیسے با کمال علماء وقتاً فوقتاً ہوتے رہے اور ان کا سلسلۂ تلمذ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

گجرات میں شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی، ملا نور الدین وغیرہ نے علم کی آب یاری کی، اسی زمانے میں قاضی ضیاء الدین باشندۂ نیوتنی نے گجرات جا کر شیخ وجیہ الدین کے دامن تربیت میں پرورش پائی اور اپنے اہل وطن کے لیے یہ تحفہ لائے، ان سے شیخ جمال نے فائدہ اٹھایا، ان سے ملا لطف اللہ نے علم حاصل کیا، ان کے شاگردوں میں ملا جیون صاحب نور الانوار، ملا علی اصغر، ملا محمد امان، قاضی علیم اللہ بہت زیادہ نامور ہوئے اور ہر ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس ہو گیا۔

الہ آباد میں شیخ محب اللہ، قاضی محمد آصف، شیخ محمد افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فاخر زائر، مولوی برکت، مولوی جار اللہ اور دیگر باکمال علماء نے ایک مدت تک سلسلۂ درس وتدریس کو گرم رکھا اور تقریباً ایک سو برس تک خوب چہل پہل رہی۔

لکھنؤ میں سب سے پہلے شیخ اعظم اس تحفہ کو جون پور سے لائے، اس کے بعد شاہ پیر محمد نے بزم افادہ گرم کی اور ان کے شاگرد ملا غلام نقشبند نے اس کو خوب رونق دی، اسی زمانے میں شیخ قطب الدین سہالوی کا بھی چرچا پھیلا ہوا تھا، جو عبد السلام دیوی اور محب اللہ الہ آبادی کے سلسلہ میں ایک نامور عالم تھے، شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ان کے نامور فرزند ملا نظام الدین نے علم کے دریا بہا دیے اور لکھنؤ کو علم کا مرکز بنا دیا اور جو نصاب مقرر کیا، اس کو ہندوستان کے ہر ایک درس گاہ میں بسر وچشم قبول کیا گیا، اسی خاندان میں ملا حسن، بحر العلوم، ملا مبین، مفتی ظہور اللہ، مولوی ولی اللہ، مفتی محمد اصغر، مفتی محمد یوسف، مولوی نعیم اللہ، مولوی عبد الحکیم، مولوی عبد الحلیم، مولوی عبد الحی، وغیرہ ایسے ایسے باکمال مدرسین پیدا ہوئے، جن کا جواب کسی خاندان میں نہیں مل سکتا۔

نصاب کے چار ادوار:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سہولت کے لحاظ سے نصاب درس کے چار دور قائم کریں، اور جو جو کتابیں ہر دور میں مروج تھیں، ان کی تفصیل جہاں تک تاریخ سے، سیر سے، مشائخ کے طبقات سے، شعراء کے تذکروں سے اور مکتوبات وملفوظات سے مل سکتی ہے، یکجا کر دیں، دیکھنے کو تو یہ ایک

ذرا سا کام ہوگا، مگر مختلف کتابوں کے ہزار ہا صفحے الٹنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں، جو ناظرین کے سامنے آج پیش کرتے ہیں۔

(۱)......دور اول: اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہئے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہو گیا تھا، کم وبیش دوسو برس تک مندرجہ ذیل فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی، صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، نحو مصباح، کافیہ، لب الالباب مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی (اور چند دنوں کے بعد ارشاد مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی)

فقہ۔مجمع البحرین، قدوری اور ہدایہ۔

اصول فقہ میں منار اور اس کے شروح اور اصول بزدوی۔

تفسیر میں مدارک، بیضاوی، اور کشاف۔

تصوف میں عوارف اور فصوص (اور ایک زمانے کے بعد نقد النصوص ولمعات بھی ان مدارس میں رائج ہوگئی جو خانقاہوں سے متعلق تھے۔)

حدیث میں مشارق الانوار، اور مصابیح السنۃ (یعنی مشکوٰۃ المصابیح کا متن)

ادب میں مقامات حریری، زبانی یاد کی جاتی تھی، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے استاد شمس الدین خوارزمی سے (جو بعد کو شمس الملک ہوگئے) مقامات حریری پڑھی تھی اور اس کے چالیس مقامے زبانی یاد کیے تھے۔

منطق میں شرح شمسیہ۔

فن کلام میں، شرح صحائف اور بعض بعض مقامات پر تمہید ابوشکور سالمی۔

اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانے میں منطق وفلسفہ معیار فضیلت ہے، ویسا ہی اس زمانے میں فقہ اور اصول فقہ معیار فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا۔

(۲)......دور دوم: نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے، شیخ عبداللہ دہلی میں اور شیخ عزیز اللہ سنبھل میں فروکش ہوئے، سکندر لودی نے نہایت کشادہ دلی سے ان کا خیر مقدم کیا، یہاں تک کہ خود بادشاہ ان کے حلقۂ درس میں آکر شریک ہوتا تھا، اور اس خیال سے کہ اس کے آنے سے سلسلۂ درس برہم نہ ہو جائے، مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر ان کی تقریر سے محظوظ ہوتا رہتا تھا اور بعد فراغت کے شیخ عبداللہ کی خدمت میں جا کر ملاقات کرتا تھا۔

کچھ ان دونوں کے فضل وکمال اور کچھ بادشاہ کی قدردانی سے بہت جلد ان کی علمی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی، انہوں نے معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کرنے کے لئے قاضی عضد کی تصانیف مطالع ومواقف اور سکا کی کی مفتاح العلوم سلسلۂ درس میں داخل کیں، اور بہت جلد یہ کتابیں متداول ہوگئیں۔

اسی دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف کو رواج دیا اور تفتازانی کے شاگردوں نے مطول مختصر کی بنیاد ڈالی اور تلویح وشرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔اسی زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح ملا جامی بھی رفتہ رفتہ داخل نصاب ہوگئیں۔

اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نامور عالم شیخ عبدالحق محدث ہندوستان سے عرب تشریف لے گئے، اور تین برس رہ

کر علمائے حرمین محترمین سے حدیث کی تکمیل کی، اور اس تحفہ کو اپنے ساتھ لائے اور انہوں نے اور ان کی نام ور اولاد نے ہمیشہ اس کی اشاعت کی کوشش کی، مگر افسوس ہے کہ اس کو قبولیت عام حاصل نہیں ہوئی، یہ شرف زمانۂ مابعد میں جناب شاہ ولی اللہ کے واسطے رکھا گیا تھا، جو ان کو حاصل ہو گیا۔

اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات دریافت کرنے سے **معلوم** ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانے میں صدرا اور شمس بازغہ منتہائیہ کتابیں سمجھی جاتی ہیں، اسی طرح اس زمانے میں مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضد کے مطالع و مواقف منتہائیہ کتابیں سمجھی جاتی تھیں، شیخ عبدالقادر نے منتخب التواریخ میں جا بجا اس کا اشارہ کیا ہے، مفتی جمال خاں کے حال میں لکھا ہے ''بر شرحین مفتاح محاکمہ کردہ وعضدی را کہ کتاب منتہیائیہ است میگویند کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ'' (جلد سوم منتخب التواریخ) شیخ حاتم کے حال میں لکھا ہے ''می گفتند کہ قریب بچہل مرتبہ شرح مفتاح و مطول را از بائے بسم اللہ تا تائے تمت درس گفتہ و بریں قیاس سائر کتب منتہائیہ۔''

(۳)......دور سوم: نصاب درس میں جو تغیر دور دوم میں ہوا تھا، اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ گئی تھیں اور وہ معیار فضیلت کو اس سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی ہو گئے تھے، اسی وجہ سے شاہ فتح اللہ شیرازی کے آتے ہی درسگاہوں میں نئی قسم کی چہل پہل نظر آنے لگی، دربار اکبری نے ان کو عضد الملک کا خطاب دے کر اپنی قدردانی کا ثبوت دیا اور علماء نے نصاب درس کے اس اضافہ کو فوراً منظور کر لیا، جس کو شاہ فتح اللہ شیرازی نے پیش کیا تھا۔

مگر نہایت بے انصافی ہوگی، اگر ہم **شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی** کو اس موقعہ پر بھول جائیں، یہ بزرگ محقق دوانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے اور سب سے **پہلے متاخرین کی تصنیفات کو انہوں نے رواج دیا اور اس چشمۂ فیض سے صرف گجرات ہی سیراب نہیں ہوا بلکہ ان کی چھینٹیں وسط ہند تک پہونچیں**، قاضی ضیاء الدین نیوتنی کے باشندہ تھے، وہ گجرات سے یہ تحفہ لے کر آئے اور شیخ جمال نے ان سے حاصل کر کے دور دور تک پھیلایا، ملا لطف اللہ شیخ جمال کے ممتاز شاگرد تھے، ان سے ملا جیون صاحب نور الانوار، ملا علی اصغر، قاضی علیم اللہ، ملا محمد زمان وغیرہ نے حاصل کیا، جن میں کا ہر ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس تھا، یہ تو ہوا مگر اس درس کو قبولیت عام اس وقت حاصل ہوئی، جب شاہ فتح اللہ شیرازی نے اس کو رواج دیا اور ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہندوستان بھر میں پھیل گئے، اس لحاظ سے میر آزاد کا لکھنا بھی صحیح ہے۔

شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ ہجری نے (جو اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نام ور عالم تھے) الجزء اللطیف میں اپنی خواندگی یوں ظاہر فرمائی ہے۔

نحو میں کافیہ، شرح جامی، منطق میں شرح شمسیہ، شرح مطالع، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ، کلام میں شرح عقائد نسفی مع حاشیۂ خیالی، شرح مواقف، **فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ (کامل) اصول فقہ میں حسامی، اور کسی قدر توضیح تلویح**، بلاغت میں مختصر، مطول، ہیئت و حساب میں بعض رسائل مختصرہ، طب میں موجز القانون، حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری، تفسیر میں مدارک، بیضاوی، تصوف و سلوک میں عوارف و رسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات جامی، مقدمہ شرح لمعات، مقدمۂ نقد النصوص۔

اس قدر پڑھنے کے بعد شاہ صاحب عرب گئے اور وہاں کئی برس رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل فرمائی، اور ہندوستان کو یہ تحفہ لے کر آئے اور ایسی سرگرمی سے اس کی اشاعت فرمائی کہ باوجود کساد بازاری کے اب تک اس کا اثر باقی ہے، درحقیقت صحاح ستہ کے درس و تدریس کا ہندوستان میں رواج اسی وقت سے ہوا ہے، جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نام ور اخلاف نے اس کو رواج دیا اور اپنی اپنی عمر عزیز کا بیش

بہا حصہ اس کی اشاعت میں صرف کر دیا۔

شاہ صاحب نے اپنی طرز کا ایک جدید نصاب بنایا تھا، مگر چوں کہ اس زمانے میں علم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہو چکا تھا اور تمام درس گاہوں میں منطق وحکمت کی چاشنی سے لوگوں کے کام وزبان آشنا ہو رہے تھے، اس نصاب کو قبولیت حاصل نہیں ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے نام وربیٹوں نے زمانے کی روش سے مجبور ہو کر اس کو رواج دینے کی کوشش بھی نہیں کی۔

(۴)......دور چہارم: چوتھا دور بارہویں صدی ہجری میں قائم ہوا اور ملا نظام الدینؒ نے ایسے پرزور ہاتھوں سے اس کی بنیاد رکھی کہ اب تک باوجود امتداد زمانہ کے اس میں کا ایک شوشہ بھی کم نہیں کیا گیا، ملا نظام الدین جناب شاہ ولی اللہؒ کے معاصر تھے، لہٰذا ان کے زمانے میں وہی کتابیں رائج تھیں، جو شاہ صاحب کے نصاب درس میں تھیں، ان پر ملا صاحب نے حسب ذیل ترمیم فرمائی۔

منطق میں بجائے شرح مطالع کے سلم العلوم، میر زاہد رسالہ، میر زاہد، ملا جلال، فلسفہ میں شمس بازغہ بڑھایا، کلام میں میر زاہد شرح مواقف، اصول فقہ میں بجائے حسامی کے نور الانوار، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ) تفسیر میں بجائے مدارک کے جلالین، اس نصاب کی ترمیم واضافہ کے بعد مندرجہ ذیل شکل قائم ہوئی۔

صرف میں میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ، نحو میں نحو میر، شرح مأۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، منطق میں صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم، حکمت میں میبذی، صدرا، شمس بازغہ، ریاضی میں خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس، مقالہ اولیٰ، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغمنی باب اول، بلاغت میں مختصر المعانی، مطول تا ما ان قلت فقہ میں شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین، اصول فقہ میں نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)۔ کلام میں شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میر زاہد، شرح مواقف، تفسیر میں جلالین، بیضاوی، حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح۔

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امعان نظر اور قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ طلبا میں (بشرطیکہ تحقیق کے ساتھ پڑھا ہو) قوت مطالعہ، دقت نظر، احتمال آفرینی اور قوت قریبہ پیدا ہو جاتی ہے، کسی فن میں طالب علم کو بالفعل کمال حاصل نہیں ہوتا، مگر وہ اپنے شوق اور جاں فشانی سے جس علم میں چاہے کمال پیدا کر سکتا ہے۔

میں نے تحقیق کے ساتھ پڑھنے کی قید اس واسطے لگائی ہے کہ اب طریقۂ تعلیم بگڑ گیا ہے، ملا نظام الدینؒ کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیتوں کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے؛ بلکہ کتاب کو ایک ذریعہ قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے، اسی طرز تعلیم نے ملا کمال الدین، بحر العلوم، حمد اللہ، جیسے اہل کمال پیدا کیے تھے۔ (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں: ۲۱-۳۲)

ہندوستان میں جہاں جہاں مسلم حکومتیں قائم تھیں ان سبھی جگہوں پر تقریباً یکساں حالت اور ماحول کا سامنا تھا، اسی لئے عمومی طور پر ہندوستان میں تعلیمی نصاب اور طریقۂ تعلیم یکساں تھا۔ روزگار کی فراوانی اور اپنی تجارت کی وجہ سے تب بھی صوبہ گجرات کو ملک میں اہم مقام حاصل تھا۔ دیگر ممالک سے علماء دین، فقہاء، صوفیاء، درویش اور طلبہ وغیرہ یہاں آتے رہتے تھے۔ حضرت شاہ وجیہ الدین جیسے استاذ الاساتذہ اور دیگر نابغۂ روزگار یہاں جلوہ افروز تھے، جن کے مدرسوں کی ایک عالم میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ ان مدارس کی دینی تعلیم کی نور افشانی سے پورے صوبے میں اجالا پھیل رہا تھا، دینی اور دنیوی علوم کا چرچا گھر گھر تھا۔

علم فقہ: فقہ کی تدریس میں شیخ برہان الدین ابو الحسن علی المرغینانی کی تصنیف ''الھدایۃ في الفروع'' آج کی طرح اس دور میں

بھی بے حد مقبول تھی۔اس کے ساتھ قدوری کی ''المختصر''،''مجمع البحرین''اور''کنز الدقائق'' بھی کافی مشہور کتب تھیں۔شاہ وجیہ الدین علوی، قاضی محمد عیسی بن شیخ عبد الحمید جونا گڑھی اور شیخ حسین بن عمر الواعظی وغیرہ کے الھدایہ پر لکھے گئے حواشی طلباء میں کافی پسند کئے جاتے تھے۔شرح الوقایۃ اس پر شاہ وجیہ الدین اور ملک احمد کے حواشی رکن الدین ناگوری اوران کے لڑکے داودنا گوری کی مشترکہ تصنیف ''فتاوی الحمادیۃ''،قطب عالم صاحب کے شاگرد قاضی جگن کی تصنیف کردہ کتاب ''خزانۃ الروایات'' بھی کافی اہم سمجھی جاتی تھیں۔

اصول فقہ:اس عنوان پر''اصول الحسامی'' کافی اہم گردانی جاتی تھی۔

''کنز الوصول الی معرفۃ الاصول''''غایۃ التحقیق''اور''مجموعات الاصول'' (شیخ محی الدین پٹنی) وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

برصغیر میں علم فقہ:

ابتدائی صدی ہجری میں ہی اسلام کے لیے ترقی وتقدم کی راہیں کھل گئی تھیں اوراس نے بحر وبر کے دوردراز فاصلوں کو طے کرکے برصغیر پاک وہند کو بھی اپنی آغوش شفقت میں لے لیا تھا۔پھر یہاں بھی مختلف اسلامی علوم نے اپنے لیے جگہ بنائی،مفسرین پیدا ہوئے، محدثین نے بساط علم حدیث بچھائی اور فقہاء نے بھی فہم وادراک کی مسندیں آراستہ کیں اور کتاب وسنت کی ضیا پاشیوں کی وساطت سے اپنے ملکی ماحول کے مطابق پیش آئند مسائل کی گرہ کشائی کی،کتابیں لکھیں،مدرسے قائم کیے اور وعظ وارشاد کی محفلیں سجائیں۔غرض ہر طریق اور ہر نہج سے اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی اوراس میں کامیاب رہے۔

جب سے برصغیر اسلام سے روشناس ہوا ہے،اس میں بے شمار علماء وفقہاء پیدا ہوئے،کچھ باہر سے تشریف لائے اور کچھ اسی سرزمین سے عالم وجود میں آئے،یہاں کے ہزار سالہ دور اسلامی میں،اس ملک نے متعدد حکمرانوں کو دیکھا اور انقلاب وتغیر کی مختلف لہروں سے اس کو دوچار ہونے کا اتفاق ہوا؛لیکن اس میں ایک چیز نمایاں رہی،وہ یہ کہ ہر دور میں اور ہر عہد حکومت میں،یہاں مختلف النوع علوم وفنون کا ہمیشہ چرچا رہا۔بالخصوص حدیث وفقہ نے اس خطہ ارض میں خوب ترقی کی اور علمائے عظام کی ایک مضبوط جماعت ہر دور میں علم وحکمت کے موتی رولنے میں مصروف عمل رہی۔

برصغیر پاک وہند کی علمی وفقہی شخصیتوں میں کچھ وہ بزرگان دین بھی ہیں جو دوسرے ملکوں سے یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے اور علوم وفنون کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور کچھ وہ حضرات گرامی قدر ہیں،جو اصلاً یہاں کے باشندے ہیں؛لیکن ان کو علمی شہرت وناموری کا تاج دوسرے اسلامی ملکوں نے پہنایا۔

بہرحال اسلام کے عہد آغاز ہی میں یہ خطہ ارض،علماء وفقہاء سے متعارف ہوگیا تھا اور یہاں کی فضا نے ابتدا ہی سے علوم شرعیہ سے تاثر پذیری کی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کرلی تھیں اور پھر اسی دور میں اہل علم نے اپنے آپ کو علمی مساعی کے لیے وقف کردیا تھا۔چناں چہ بہت سے علمائے کرام نے متعدد ملوک وسلاطین اور امراووزرا کے عہد میں،مختلف علوم وفنون پر کتابیں تصنیف کیں،جن کی تفصیلات کا یہ محل نہیں؛کیوں کہ ہمارا مقصد ان کی ہر نوع کی علمی کوششوں کا استقصاء نہیں،فقط ان کی فقہی تصنیفات کا تذکرہ مقصود ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ سرزمین پاک وہند نے اگرچہ تمام مسالک فقہی کے علماء وفقہاء کی پذیرائی کی اور ہر مسلک سے منسلک علماء نے اپنے اپنے دائرے میں علمی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں؛لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ زیادہ فروغ

یہاں فقہ امام ابوحنیفہؒ کو ہوا۔

ہندوستان میں سلطنت کے دور کی فقہی خدمات:

فتاوی کے مجموعے فقہی تخلیقات کا اہم حصہ ہیں، فن فتاوی میں عہدِ سلطنت کے علماء نے دلچسپی لے کر انتہائی قیمتی معلومات فراہم کیں جو بعد کے دور میں مراجع ومصادر کے طور پر استعمال میں آتی رہیں، اس دور کا قدیم ترین مجموعۂ فتاوی عربی زبان میں ''الفتاوی الغیاثیہ'' کے نام سے معروف ہے، اس کے مصنف شیخ داود بن یوسف الخطیب ہیں، انہوں نے اسے سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۷ء) کے نام معنون کیا تھا، بعد کے ادوار میں فتوی نویسی کا رواج ورجحان جاری رہا، خصوصاً فیروز شاہ تغلق کا عہد اس فن کے استحکام کے لیے معروف ہے، چنانچہ فتاوی فیروز شاہی (بزبان فارسی) اور فتاوی تاتارخانی (بزبانی عربی) اس دور کی اہم ترین یادگار ہیں، ان دونوں مجموعوں میں بے شماران سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے، جو اس دور میں حل طلب تھے، عہد سلطنت میں مرتب ہونے والے دیگر مجموعہ ہائے فتاویٰ کے نام حسب ذیل ہیں: شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق الغزنوی الحنفی (م: ۷۷۳ھ ۱۳۷۱ء) کی ''فتاوی قاری الھدایہ''، قاضی نظام الدین جون پوریؒ (م: ۸۷۴ھ ۱۴۶۹ء) کی ''فتاوی ابراھیم شاھی''، قاضی جگن گجراتی (م: ۹۲۰ھ/ ۱۵۱۴ء) کی ''خزانۃ الروایات'' ہے۔

عہد مغلیہ میں فقہ وفتاوی پر توجہ:

برصغیر ہندو پاک پر مغل حکمرانوں کی حکومت تقریباً سوا تین سو سال (۱۵۲۶-۱۸۵۷ء) تک قائم رہی، یہ عہد سیاسی، حکومتی اور تہذیبی اعتبار سے گوناگوں خوبیوں کا حامل ہے، مغل حکمران روایتی اور عقلی علوم کے سرپرست وشیدائی رہے، انہوں نے فقہ کو اپنی دلچسپی کا موضوع بنایا، چنانچہ ترک سلاطین کی طرح مغل حکمرانوں نے بھی فقہاء کو اپنے دربار سے قریب رکھا تاکہ ان کی رہنمائی میں شرعی مسائل حل کرسکیں۔

عہدِ مغلیہ میں علماء کی بحث وتمحیص کا موضوع یہ مسئلہ بھی رہا کہ کسی مخصوص مکتب فکر کا عامل دوسرے مکتب فکر سے رہنمائی حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو علماء کرام کی تحریریں ملتی ہیں، ان میں سے ایک حمید بن عبداللہ ابراہیم السندیؒ (م ۱۰۰۹/ ۱۶۰۰ء) ہیں جنہوں نے ''القول الحسن فی جواز الاقتداء بالامام الشافعی فی النوافل والسنن'' لکھی، دوسرے عالمِ دین رحمت اللہ سندھیؒ (۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء) ہیں، آپ نے ''رسالہ فی الاقتداء بالشافعیہ والخلاف بذلک'' لکھ کر اس موضوع کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی، بعد کے دور میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس مسئلہ کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

عہدِ مذکور کی فقہی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ بعض کتابوں میں فقہ حنفی اور اس کے بانی امام ابوحنیفہ کی عظمت کا اظہار ہوا ہے۔

علم فقہ کے ان مختلف النوع مسائل ومباحث کے علاوہ علماء ہند نے عہدِ مغلیہ میں شروح وحواشی کی تیاری میں گہرے نقوش چھوڑے۔

اورنگ زیبؒ کی وفات سے عہدِ مغلیہ کا زوال شروع ہوتا ہے، بعد کے نااہل حکمرانوں اور مرکزی ریاست کی کمزوری نے سیاسی

میدان میں جمود وتعطّل اور انار کی و بے چینی کی فضا عام کردی، لیکن علمی فضا پر اس رویے کا ناخوشگوار اثر رونما نہیں ہوا، اورنگ زیبؒ کی وفات کے بعد کے عبوری دور (۱۷۰۷-۱۸۵۷ء) میں بعض ممتاز علماء نے اسلامی علوم خصوصاً فن فقہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔

مابعد مغلیہ عہد کے علماء کرام ہمیشہ کی طرح سماجی مسائل کے حل کرنے میں لگے رہے، جس کا اندازہ فتاوی کے مجموعوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، لیکن دوسری طرف انہوں نے نئے مسائل کے لیے الگ الگ تصنیفات بھی قلم بند کیں۔ (برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات ومطبوعات ایک مطالعہ:ص:۳۲-۴۲)

سلطنت مغلیہ کے بعد فتویٰ:

سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد فتوی کا کام مدارسِ دینیہ کی طرف منتقل ہوگیا اور اب بھی یہ کام دینی مدارس ہی میں ہوتا ہے، اس لئے کہ دینی مدارس ہی دین اور تعلیماتِ نبویہ کے آماجگاہ ہیں۔

جنگِ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ اور فتویٰ کے کام کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی کے جانشین علماء نے سنبھالا، ان میں اکابر علمائے دیوبند: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، جن کے فتاوی مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ (فتاوی محمودیہ: مقدمہ،ص:۱/۱۱۵)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی باقاعدہ حکومت کے قیام کے بعد ہی مسلمانوں کی عمرانی وسیاسی زندگی میں علماء کا کردار شروع ہوگیا تھا اور نازک مرحلوں پر مسلمانوں کی بقاء صرف علماء کی کاوشوں کی رہین منت ہے، مسلم دورِ حکومت کے بالکل آغاز ہی سے یہاں مسلمانوں کے اونچے لوگوں کا ایک مختصر طبقہ تھا جو عموماً علماء اور مذہبی لوگوں، اہل قلم اور اہل سیف سپاہیوں پر مشتمل تھا، یہ سب طبقات مختلف طریقوں سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے استحکام جیسے عظیم کام کے لئے خدمات انجام دے رہے تھے، اور انہیں خدمات کے مطابق صلہ بھی پاتے تھے، عہد وسطی کے مسلم سماج میں علماء کا اثر ورسوخ بہت زیادہ تھا، ریاست کی طرف سے انہیں صدرالصدور، شیخ الاسلام، قاضی، مفتی، امام، خطیب وغیرہ کے عہدے دیئے جاتے تھے، یہ عہدے ریاست سے تسلیم شدہ تھے۔

قضاء کی اہم ذمہ داری اور ایک قابل عمل سنت ہے، یہ شعبہ اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا، جب انتظام کا سکّہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کئے، اس کے ساتھ قضاء کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا جو حضرت ابوموسی اشعریؓ گورنر کوفہ کے نام تھا۔

عہد سلطنت میں دیوان قضاء ایک اہم ادارہ تھا اور یہ عام طور سے دوسرے مسلم ملکوں جیسا ہی تھا، خصوصا عباسیوں جیسا۔ عہد مغلیہ میں بھی نظام عدل روایتی مسلم اداروں جیسا ہی تھا، قاضیوں کے تقرر کی تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی کے تقرر کے لئے کوئی قطعی اور حتمی اصول نہیں تھا؛ ہاں تقرر کے وقت اہلیت کو ترجیح ضرور دی جاتی تھی، دہلی سلطنت میں قاضیوں کا تقرر براہ راست مرکز سے ہوتا تھا اور وہ حاکموں کے دائرہ اختیارات سے کلاً آزاد ہوتے تھے، اورنگ زیب ہر سطح پر قاضیوں کی تقرری میں بہت دلچسپی لیتا تھا، واقعات عالم گیری کے مصنف کے مطابق سلطنت اور عہدوں پر تقرری کے مقابلہ میں قاضیوں کی تقرری میں اورنگ زیب زیادہ وقت دیتا تھا۔ اگر غور کیا جائے تو خلفاء کے دور سے لیکر مغلیہ عہد تک قضاء کے شعبے میں تبدیلیاں تقریباں نظر آتی ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں کسی طرح کی اقرباء پروری نہیں

ملتی، اسی طرح دہلی سلطنت میں کسی کی سفارش سے تقرریاں نہیں ہوتی تھیں؛ بلکہ قاضیوں کا تقرر براہ راست مرکز سے ہوتا تھا، مغل دورحکومت خصوصاً عہداورنگ زیب میں قاضی کا عہدہ موروثی ہوچکا تھااورایک خاندان طویل عرصے تک قاضی کے عہدے پرفائز رہتا تھا۔

مفکراسلام حضرت مولاناعلی میاں ندویؒ خطبۂ پرسنل لا بمقام احمدآباد میں تحریر فرماتے ہیں:

گجرات کا فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے، یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جونہروالہ کے مفتی تھے، فقہ حنفی کی دوسوچار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر''فتاوی حمّادیہ'' تصنیف کی، جس کے حوالے فتاوی عالمگیری میں جابجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (م:۹۹۹ھ) کا ذکر کئے بغیر بھی رہانہیں جاتا جن کوحرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، علامہ قاضی شوکانی صاحب''نیل الأوطار'' نے اپنی کتاب''البدرالطّالع'' میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیارعرب میں، جن کے فضل وکمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا، اورجن سے استفادہ کو باعث فخروشرف سمجھا گیا، وہ زیادہ تر علمائے گجرات تھے، وکفی بہ فخراً وشرفًا۔

علوم دینیہ بالخصوص فقہ وقضاء وافتاء کی صلاحیت میں علمائے گجرات کے امتیاز واختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنتِ دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز واختصاص سے فائدہ اٹھایا، اوران کو''قاضی القُضاۃ'' کے عہدہ پرفائز کیا، قاضی شیخ الاسلام گجراتی دارالملک دہلی کے قاضی تھے، ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کومجبور کرکے اقضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا، اس عہدۂ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اورراست بازی کے ساتھ انجام دیئے اورحق بات کے ظاہر کرنے میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چُوکے، اُن کے بعداُن ہی کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۴ھ میں اُن کی جگہ''اقضَی القُضاۃ'' کے عہدہ جلیلہ پرفائز ہوئے، عہدعالمگیری میں دہلی کے اقضی القُضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا، اس کے علمی وفنّی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

شخصی، خاندانی وموروثی سلطنت کے دور میں والیانِ سلطنت اوراُن کے وزراء کا نہ صرف مُتّبع شریعت وسنت ہونا، بلکہ صلاح وتقویٰ میں اورشرع ودین کی واقفیت میں ممتاز ہونا، پوری قلمرو، زیرحکومت علاقہ، اورخواص وعوام کے طبقہ پراثرانداز ہوتا ہے، اوراس سے پوری قلمرو میں دین کا احترام اورشریعت پرعمل کرنے کا جذبہ اوررُجحان پیدا ہوجاتا ہے، اس سلسلہ میں بھی گجرات کوایک محدود لیکن طویل مدت تک یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہاں بعض ایسے سلاطین صاحبِ اقتداراورفرمانروائے ملک رہے ہیں، جن کی نظیر کم سے کم ہندوستان کے صوبوں کی تاریخ اور سلاطین وقت کی سوانح (سلطان محی الدین اورنگ زیب کومستثنٰی کرکے جن کوبعض فضلائے عرب نے''سادس الخلفاء الراشدین'' کا لقب دیا ہے) میں مشکل سے ملتی ہے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں مُظفّرشاہ حلیم گجراتی (م ۹۳۲ھ) کی ذات ہے، مولاناسید عبدالحیؒ صاحبؒ، اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فضل وکمال کے ساتھ تقوی وعزیمت کی دولت بھی اس نے خداداد پائی تھی، تمام عمرنصوصِ احادیث پرعمل رہا، ہمیشہ باوضورہتا، نمازجماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمربھرنہیں چھوٹے۔''

اُن سلاطین میں بعض ایسے سلاطین بھی گذرے ہیں، جن کی خدمتِ دین، اشاعتِ علم اوراس کی سرپرستی کا دائرہ گجرات ہی کے حدود سے نہیں بلکہ ہندوستان کے حدود سے بھی نکل کرمرکز ومصدرعلم دین''حجازمُقدّس'' تک وسیع تھا، وکفی بہ فخراً وشرفًا۔

مولاناسید عبدالحیؒ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''محمود شاہ دوم (م۹۶۱ھ) کی توجہ وسرپرستی سے مکہ معظّمہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ باب عُمرہ سے متصل قائم کیا گیا، جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عزالدین عبدالعزیز زمزمی وغیرہ علمائے مکہ، تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، علاوہ اُس کے کئی رباط اور مکتب مکہ معظّمہ میں تعمیر کیئے گئے۔

محمود شاہ نے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے خلیج کنبایہ (کھمبایت) میں ایک بندرگاہ کی آمدنی محض حرمین محترمین میں رہنے والوں کے واسطے وقف کردی تھی، یہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدّہ بھیجا جاتا تھا، اور اُس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا، وہ خزانۂ شاہی سے دیا جاتا تھا، اس مال کے فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی، وہ سب اہلِ حرمین محترمین پر تقسیم کردی جاتی تھی۔''

حضرات! ان قابلِ فخر تاریخی حقائق اور گجرات کے شاندار علمی ودینی دور کا تقاضہ ہے کہ حفاظت وحمایتِ شریعت بلکہ غیرتِ دینی وحمیتِ اسلامی کا جو قدم ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اُٹھایا جائے، اور مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنے، جس میں وہ عائلی قانون (پرسنل لا) بھی داخل ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت کے نصوص، آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ہے، اور اپنے معاشرتی معاملات، ازدواجی وعائلی زندگی کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے سلسلہ میں شرعی وقانونی طور پر خود کفیل ہونے، اور اپنے تشخّص کو برقرار رکھنے کی دعوت دی جائے، تو اہل گجرات اس پر لبیک کہیں اور اس کے لئے اپنے صوبہ کی فضا کو موافق ومعاون بنائیں، بلکہ اس کی کامیابی اور نفاذ کے لئے اگر ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی صدا لگائی گئی ہے، اور اس کے لئے جدّوجہد شروع کی گئی ہے تو اس کے ساتھ پورا تعاون واشتراک کریں۔

فقہائے گجرات اور ان کی تصنیفات

ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین مفتی ناگوری جوناگپور کے مفتی تھے، انہوں نے بمقام نہروالہ اپنے قیام کے دوران گجرات کے قاضی القضاۃ قاضی حماد الدین احمد بن قاضی اکرم کی فرمائش پر اپنے بیٹے داود کی مدد سے **الفتاوی الحمادیہ** لکھی، اس کتاب میں جن تصانیف کا حوالہ دیا گیا ہے یا جن تصانیف میں اس کتاب کا حوالہ ہے ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی کے اواخر میں یا نویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے، مصنف نے ان کتابوں کی طویل فہرست درج کی ہے جن سے انہوں نے اپنی کتاب مرتب کرنے میں استفادہ کیا ہے، یہ ایک معتبر تصنیف ہے اور فتاوی عالم گیری میں بھی اس کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

یہ کتاب مخطوط شکل میں بانکی پور (۱۹-۱: ۱۷۲۳) فہرست عربی مخطوطات دہلی، انڈیا آفس لنڈن (۸۱۵) خدیدی کتب خانہ قاہرہ (۳/۸۸) رامپور (۲۲۲) بنگال (۱۴) کتب خانہ کلکتہ مدرسہ (۴۱) کتب خانہ انڈیا آفس (۱۶۸۹-۱۶۹۱) میں موجود ہے۔

اور گجرات ہی کے ایک ممتاز عالم قاضی جکن گجراتی کی ترتیب دی ہوئی کتاب خزانۃ الروایات ہے جو فقہ حنفی کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے، یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے، شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے، اس میں انہوں نے علم اور علماء کی فضیلت بیان کی ہے، وہ خود حنفی تھے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وفضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے، انہوں نے فتاوی اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے، یہ کتاب مخطوط شکل میں دہلی (۱۴۳۷) فہرست دینی کتب خانہ استنبول (۶۰۵) فہرست کتب خانہ نوری عثمانیہ استنبول (۱۵۲۰)

فہرست کتب خانہ عشیر آفندی استنبول(۳۲۶)بوہار(۲/ ۱۵۶)بانکی پور(۱۹-۱:۳۹)رامپور(۱۷۲)آصفیہ(۲/ ۱۰۸۴)میں موجود ہے۔

قاضی نظام الدین احمد بن محمد جیلانی: یہ بھی ایک جید عالم تھے، گجرات میں پرورش پائی، اس میں اختلاف ہے کہ ان کا تعلق نویں صدی سے تھا یا دسویں صدی سے، اردو کے مشہور ماہنامہ ''المعارف''اعظم گڑھ بابت مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۴۷ پر شائع شدہ ایک مضمون کے مطابق انہوں نے ایک کتاب فتاوی ابراہیم شاہ شرقی کے لئے لکھی تھی، محمد عبدالاول جونپوری نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہاب الدین دولت آبادی کے ہم عصر تھے اور ان کی قبر جونپور میں موجود ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ فتاوی ابراہیم عادل شاہ کے نام معنون کی گئی ہے۔

مذکور کتاب فتاوی ابراہیم شاہیہ بوہار عربی مخطوطات فہرست (۲/ ۱۵۹) بانکی پور (۵۲-۱۷۴۹) آصفیہ(۲: ۱۰۵۲-۳:۲۴۴۲)رامپور(۲۲۱)انڈیا آفس(۴-۱۷)میں موجود ہے، نیز اس پر حافظ نذیر احمد جریدہ کا مختصر نوٹ ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال (۴۶)میں موجود ہے۔

شاہ وجیہ الدین گجراتی نے **حاشية على شرح الوقاية**، بوہار(۱۶۴)رامپور(۱۸۶)**حاشية على التلويح** ندوۃ العلماء لکھنؤ (۱۲/ ۷)**حاشية على اصول البزدوی** تذکرہ علماء ہند(۲۵۰)اور **حاشية على الشرح العضدی على المختصر لابن حاجب** تحریر فرمائی۔

شیخ عبداللطیف بن جمال بن حامد نہروالی نے ابراہیم بن موسیٰ طرابلسی کی کتاب **مواھب الرحمن** کی شرح لکھی، جو بشکل مخطوط بانکی پور(۱۷۴۳)میں موجود ہے۔

قاضی محمد عیسیٰ بن شیخ عبدالماجد صدیقی جونا گڑھی، یہ جونا گڑھ کے قاضی تھے اور اسلامی علوم پر بہت عبور رکھتے تھے، انہوں نے فتح القادر شرح الہدایہ لکھی، اس کا صرف ایک حصہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے پاس تھا، جو ان کی اولاد میں سے ہے۔

شیخ نورالدین بن شیخ محمد احمد آبادی نے **حاشية على التلويح**، **حاشية على شرح الوقاية** اور **حاشية على شرح المطالع** تصنیف فرمائی، ان کتابوں کا تذکرہ رحمن علی لکھنوی نے تذکرۂ علماء ہند میں کیا ہے۔

نعمت اللہ بن طاہر نہروالی نے صلوۃ التراویح (**الطاهرية**) تالیف فرمائی جو اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری کے اورینٹل سیکشن کی فہرست(۶۵۴)میں درج ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابیں اس فن میں لکھی گئی جیسے فیض الحسن بن نورالحسن سورتی گجراتی نے **فرح شاهی شرح خلاصة الكيدانی**، فتاوی نقشبندیہ، قاضی عیسیٰ بن عبدالرحیم گجراتی نے مسئلۂ سماع پر سب سے زیادہ مفصل اور نافع کتاب عربی زبان میں لکھی، اسی طرح بندوق کی گولی سے مرے ہوئے جانور کے حکم کے متعلق ایک کتاب شیخ محمد بن یوسف سورتی کی ہے، شیخ عبدالقادر بن عبدالاحد باعلظہ شافعی سورتی نے **تحفة المشتاق فی احکام النکاح والانفاق** اور شیخ ابراہیم بن عبداللہ باعلظہ شافعی سورتی نے **تحفة الاخوان** لکھی۔

اصول فقہ میں شیخ احمد بن سلیمان گجراتی نے حاشیہ بر حاشیہ ملا عبدالحکیم، شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری گجراتی نے **المواھب الالھی شرح اصول ابراھیم شاھی**، علم الفرائض میں شیخ محمد ہاشم سامرودی سورتی نے **جوھر النظم** تحریر فرمائی اور ایک جامع کتاب اردو زبان میں بھی تحریر فرمائی۔

''حدیث میں مولانا عبدالملک کے ممتاز شاگردوں میں مولانا کمال محمد عباسی (مفتی اجین، مالوہ) نام خاص طور سے قابل ذکر ہے''۔ (معارف اکتوبر ۱۹۵۰ص: ۲۸۴)

مولانا کمال محمد عباسی مفتی اجین کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اسے ہم یہاں بعینہ نقل کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ ان کی زندگی کتنی مرتب اور منضبط تھی۔

''شیخ کمال محمد عباسی گجراتی ایک بڑے عالم اور مفتی تھے جو فقہ، اصول اور عربیت کے ممتاز اور ماہر علماء میں تھے، احمد آباد میں ان کی پیدائش ہوئی اور یہیں نشو ونما پائی، بچپن ہی سے علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجراتی کی درسگاہ میں حصول علم میں مشغول ہو گئے اور زمانہ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر کسب کمال کرتے رہے اور اپنے ہم عصروں سے گوئے سبقت لے گئے، علامہ وجیہ الدین ہی سے طریقت وسلوک کی تعلیم حاصل کی اور حدیث کی سند شیخ عبدالملک بمبانی سے لی۔

اس کے بعد وہ احمد آباد سے ۹۸۰ھ/ ۱۵۷۲ء میں اجین چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی اور شیخ اولیاء بن سراج کالپوی کی صاحب زادی سے عقد کیا اور **افتا کے منصب پر فائز ہوئے اور تیس برس تک تدریس وافتاء کی خدمت میں مشغول رہے**۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۳۱۶، ۳۱۷)

''مولانا عبدالملک عباسی کا شمار ان محدثین کرام میں سے ہے جنہوں نے ساری عمر اسی فن شریف کی خدمت میں صرف کی''۔ (یاد ایام یعنی تاریخ گجرات ص ۵۵)

لیکن اگر قرطاس وقلم کا مشغلہ نہ بھی رہا ہو تو کیا یہ کم ہے کہ وہ درس حدیث میں بڑے ممتاز اور فائق تھے، اور ان کے درس وتدریس کی وجہ سے احادیث کی بڑی نشر واشاعت ہوئی۔

دوسرے علوم سے شغف: حدیث میں جس طرح استاذ زمانہ اور عالی رتبہ تھے، تفسیر میں بھی کمال حاصل تھا اور فقہ وعربیت میں بھی یکتا تھے، مولانا عبدالحی رائے بریلوی لکھتے ہیں:

له مشاركة جيدة في الفقه والحديث والتفسير والعربية. (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۱۸)

اہم تاریخ جو کہ سلطان محمود بیگڑہ ہی کے دور میں مکمل ہوئی وہ **ملک القضاۃ مولانا فیض اللہ بنبانی** کی تاریخ صدر جہاں ہے۔ اگرچہ یہ تالیف طبقات کی شکل میں مرتب کی گئی ہے؛ لیکن مؤلف کے عہدۂ صدر جہان کی رعایت سے تاریخ صدر جہان کے نام سے جانی جاتی ہے، **مؤلف کے بیان کے مطابق ان کے اجداد سلطنت گجرات کے آغاز ہی سے سلطان کے دربار سے وابستہ رہے اور علوم اسلامی میں شغف اور دسترس حاصل ہونے کی وجہ سے صدر جہاں اور قاضی القضاۃ کے عہدوں پر سرفراز رہے**۔ مولانا فیض اللہ بنبانی صدر جہان تھے اور اپنے علمی تبحر اور شائستگی کی بنا پر ہندوستان کے دوسرے سلاطین کے درباروں میں سفیر کی حیثیت سے بھی بھیجے جاتے تھے۔ ۱۵۰۱ء میں جب وہ صلح کے معاہدے کی تکمیل کے لئے بیدر گئے تو وہاں اپنے کئی ماہ کے زمانۂ قیام میں طبقات محمود شاہی یعنی تاریخ صدر جہان کو پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

حضرت سید محمد جعفر بن حلال بدر عالم (م ۱۶۷۵)

آپ تفسیر وحدیث نیز دیگر کئی موضوعات مثلاً اوراد و وظائف اور سوانح پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی ایک اور کتاب اعمال الصلاۃ المخصوصۃ بالسادات کا قلمی نسخہ درگاہ پیر محمد شاہ میں موجود ہے۔اس کی سب روایات حنفی مذہب کے مطابق ہیں۔

قاضی عیسیٰ بن عبدالرحیم احمد آبادی (م،۱۰/ربیع الاول/ ۹۸۲ھ ۳۰/جولائی/ ۱۵۷۴)

سولہویں صدی کے اس گجراتی عالم دین کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہیں ،آپ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) سے تعلق رکھتے ہیں جس میں گجرات میں خصوصاً علوم دینیہ کی خوب ترقی ہوئی تھی اور کثرت سے علماء دین نے تالیفات چھوڑی ہیں، کتاب خانۂ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں آپ کے دو رسالوں کے قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں جن میں سے ایک ’’رسالہ در باب سماع‘‘ ہے۔**اس میں سماع الغنی کے موضوع پر عربی میں بحث ملتی ہے**۔اس میں قاضی عیسی کی تاریخ ولادت ۲۰ ربیع الاول 915ھ (۸ جولائی ۱۵۰۹ء) اور تاریخ وفات ۱۰ ربیع الاول ۹۸۲ھ (۳۰ جولائی ۱۵۷۴ء) بتائی گئی ہے۔قطعۂ تاریخ وفات:

رفت عیسی قاضی از عالم   برد با خویش نام استادی

سال تاریخش از قضا جستم   گفت قاضی احمد آبادی

مفتی بہاء الدین عبدالکریم (م ۱۶۰۵)

آپ مفتی قطب الدین نہروالی کے برادر زادہ تھے۔ بہاء الدین عبدالکریم کی ولادت احمد آباد میں ۱۵۵۴ میں ہوئی تھی، جب آپ کے والد یعنی مفتی قطب الدین کے بھائی محب الدین بن علاء الدین ہجرت کر کے مکہ گئے تو نو عمر بیٹے عبدالکریم کو بھی ساتھ لے گئے۔ آپ نے شروع میں اپنے چچا اور مکہ کے مفتی قطب الدین سے درس لیا اور ابن حجر ہیثمی سے بھی فیض اٹھایا، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو مدرسۃ المرادیۃ میں مدرس اور **بعد میں مکہ کا مفتی اور ۱۵۸۲ میں حرم شریف کا امام بھی بنایا گیا تھا**۔

مفتی بہاء الدین عبدالکریم درس، **فتاوی نویسی** اور امامت کی خدمت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے تھے۔آپ نے صحیح البخاری کی ایک شرح الانہر الجاری علی صحیح البخاری تصنیف کی تھی۔اس کے علاوہ اپنے چچا مفتی قطب الدین کی حرم شریف کی تاریخ کا اختصار بھی کیا تھا جس کا نام **اعلام العلماء الاعلام ببناء المسجد الحرام** ہے۔

سید غضنفر بن جعفر نہروالی (م ۱۵۹۱) گجرات میں نہروالہ پٹن کے باشندے سید غضنفر بن جعفر بھی اپنے ہم عصر مفتی بہاء الدین عبد الکریم کی طرح یہاں سے ہجرت کر کے حجاز میں بس گئے تھے۔آپ نے مکہ میں میر کلاں محدث اکبرآبادی جیسے جید عالم حدیث سے مشکاۃ المصابیح کا درس لیا تھا۔ ملا علی قاری اس درس میں آپ کے ہم جماعت تھے۔ سید غضنفر نے تعلیم سے **فراغت کے بعد مکہ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی تھی۔ وہاں کے آپ کے تلامذہ میں شیخ احمد شہناوی، مفتی حرم شیخ عبدالرحمن اور شیخ عبدالقادر المکی کا شمار ہوتا ہے**۔

گجرات کی تمدنی تاریخ مصنفہ مولانا سید ابوظفر ندوی کے حوالے (ص ۱۴۵) سے پتہ چلتا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد شاہ اول (۱۴۱۱-۱۴۴۲) نے اپنے عہد میں اور شہروں کے علاوہ مہائم میں بھی محلات تعمیر کئے تھے۔ حضرت شیخ مخدوم مہائمیؒ (م ۱۴۳۲) کو **سلطنت گجرات کی جانب سے مہائم کے مسلمانوں کا قاضی مقرر کیا گیا تھا**۔

اپنے وقت کے قابل ذکر عالم حدیث عمر بن محمد دمشقی (م ۱۴۹۴) کو کھمبایت کے مقامی حاکموں نے اس شہر کا شافعی مسلک کے باشندوں کا قاضی بنایا تھا۔

اختیار خاں:

ان کا اصل نام معلوم نہ ہوسکا، گجرات میں اعلیٰ اور بلند مرتبہ کے افسر کو ''خان جیو'' کہتے تھے، اور آج بھی باپوجیو، یا صرف باپو کہتے ہیں، ان کے نام کے ساتھ بھی خان جیو لگا ہوا تھا، اختیار خاں خطاب تھا، نڑیاد کے باشندے تھے، اسی جگہ پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام داود تھا، صدیقی خاندان سے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آباء واجداد کہیں باہر سے آئے تھے، ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اہل علم تھے، کئی پشت سے قاضی ہوتے چلے آرہے تھے، ایسے گہوارۂ علم وکمال میں ان کی تعلیم ہوئی، ابتدائی کتابیں تو گھر پر پڑھیں، اور تعلیم کی تکمیل دوسری جگہ جا کر کی، افسوس ہے کہ ان کے اساتذہ کا علم نہ ہوسکا۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ)

شیخ حسین بن عمر العریضی شارح ہدایہ، قاضی عمادالدین ظہیر الشرع قاضی بڑودہ، قاضی القضاۃ محمد اکرم قاضی نہر والہ، قاضی القضاۃ جمال الدین قاضی نہر والہ، مفتی رکن الدین ناگوری صاحب فتاوی حمادیہ، مفتی داود مفتی نہر والہ، قاضی اسمٰعیل اصفہانی قاضی احمد آباد، قاضی جگن صاحب خزانۃ الروایات، قاضی برہان الدین بہروانی، الفقیہ حسن العرب۔ (یادایام:۷۷)

میں نے چند حضرات کے اسمائے گرامی پیش کردینے پر اکتفا کی ہے، جو شاہان گجرات کی فیاضانہ کشش سے گجرات تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے، ان حضرات کے فضل وکمال کی داستانیں بیان کرنا اس مختصر مضمون میں دشوار ہے۔

شیخ احمد کھتو

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ شیخ احمد کھتو جو گجرات کے سرمایۂ ناز تھے، ان سے ایک نہیں بیسیوں کرامتیں صادر ہوئیں اور ان کو مورخین گجرات نے بڑے آب وتاب سے نقل کیا ہے، مگر یہ نہیں بتایا کہ ان کا مبلغ علم کیا تھا، اور ان سے اہل گجرات کو کس کس طرح سے فائدہ پہونچا، جب یہی بزرگ سفر حج سے واپس ہوتے ہوئے سمرقند پہنچتے ہیں اور اصول فقہ کے ایک ایسے مسئلہ پر علماء گفتگو کررہے ہیں اور حل نہیں ہوتا، یہ تقریر کرتے ہیں تو غل مچ جاتا ہے، لوگ ان کی طرف دوڑتے ہیں اور ان کو صدر مجلس میں جگہ دیتے ہے، مگر حب یہی بزرگ ہندوستان کی زمین پر قدم رکھتے ہیں تو فضل وکمال سے ان کو کچھ سروکار باقی نہیں رہتا۔ (یادایام:۹۳)

علامہ وجیہ الدین علوی

علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجرات کے ان برگزیدہ علماء میں ہیں، جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے، یہ علامہ عمادالدین محمد طارمی کے شاگرد تھے، تقریباً بیس برس کے سن سے انہوں نے تدریس شروع کی اور سرسٹھ سال تک احمد آباد میں معقول ومنقول کے پڑھانے میں اپنی اوقات بسر کی اور شرح جامی سے لے تفسیر بیضاوی تک تیئیس (۲۳) کتابوں کے حواشی وشروح لکھے، انہیں کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل کر علمی خدمتوں میں مصروف ہوگئے تھے، اور استاذ الاساتذہ کا منصب جلیل اپنی زندگی میں ان کو حاصل ہوگیا تھا، ان کی مشہور ومعروف تصنیفات حسب مندرجہ ذیل ہیں۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ کشف الاصول بزدوی، حاشیہ تلویح، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ شرح تجرید، حاشیہ بر حاشیۂ قدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ عضدیہ، حاشیہ شرح حکمۃ العین، حاشیہ مطول، حاشیہ مختصر، حاشیہ شرح چغمینی، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ قطبی، حاشیہ شرح ملا، حاشیہ شرح ارشاد، تشرح نخبۃ الفکر، شرح رسالہ قوشجیہ، شرح ابیات تسہیل، شرح لوائح، شرح جام جہاں نما، ۹۹۸ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی، اور احمد آباد میں مدفون ہوئے، قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔ (یادایام:۱۰۰)

قاضی علاء الدین

قاضی علاء الدین عیسیٰ گجراتی بھی علامہ عماد الدین محمد طارمی کے شاگرد تھے اور کثرت درس وافادہ میں اپنے معاصر مولانا وجیہ الدین علوی سے کم نہیں تھے، مگر افسوس ہے کہ ان کے حالات کسی کتاب میں مجھے نہیں ملے، البتہ عیسی بن عبدالرحیم گجراتی کی کچھ تفصیلات ملاحظہ سے گزری ہیں اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ وہ انہیں کی ہیں، ان میں سے ایک کتاب قاموس کے خطبہ کی شرح ہے، جس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس شرح کا حوالہ تاج العروس شرح قاموس میں سید مرتضی زبیدی (بلگرامی) نے بھی دیا ہے، دوسری خود میرے کتب خانہ میں ہے اور وہ مبحث سماع پر ہے، اس میں اس مختلف فیہ مسئلہ کو ایسی خوبی سے سلجھایا ہے کہ صرف اس کے پڑھنے سے وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ (یاد ایام:۱۰۱)

قاضی برہان الدین

قاضی برہان الدین نہروالی امام شہاب الدین احمد گجراتی کی اولاد میں باعتبار کثرت درس وافادہ کے یکتائے روزگار تھے، محمد بن عمر آصفی نے ''ظفر الوالہ'' میں لکھا ہے کہ ابتداءً گجرات میں علم انہیں کی وجہ سے پھیلا تھا، ان کے یہ الفاظ ہیں: **منه انتشرت العلوم ابتداء بگجرات**، مگر افسوس ہے کہ اس محسن گجرات کے حالات کسی نے قلم بند نہیں کئے۔ (یاد ایام:۱۰۱)

مولانا نور الدین

مولانا نور الدین بن محمد صالح احمد آبادی کا شمار ان علماء میں ہے جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں فنا کر دی اور دنیا کے عیش وآرام سے کوئی تمتع حاصل نہیں کیا، علامہ وجیہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرت تصنیفات کے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوا، انہوں نے بھی علامہ ممدوح کی طرح تمام کتب درسیہ کی شروح وحواشی لکھے ہیں، ان کے لئے اکرم الدین خاں صدر گجرات نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک عالی شان مدرسہ تیار کیا تھا، اور مصارف مدرسہ کے لئے دیہات وقف کئے تھے، ان کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو بیان کی جاتی ہے، بڑی بڑی کتابیں ان کی حسب مندرجہ ذیل ہیں:

''تفسیر القرآن'' پورے قرآن مجید کی تفسیر، التفسیر النورانی لسبع المثانی، سورہ فاتحہ کی تفسیر، سورۂ بقرہ کی تفسیر، حاشیہ تفسیر بیضاوی (اوائل) اور نور القاری شرح صحیح البخاری، الحاشیہ القویمہ علی الحاشیہ القدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حل المعاقد، حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح المطالع، حاشیہ تلویح، حاشیہ سندیہ، المعول، حاشیہ مطول، حاشیہ شرح وقایہ، شرح ملا، حاشیہ قطبی، شرح تہذیب المنطق، شرح فصوص الحکم وغیرہ، ۱۱۵۵ھ میں انہوں نے وفات پائی اور مدرسہ میں مدفون ہوئے۔ (یاد ایام:۱۰۵)

۹۸۰ھ میں اکبر شاہ تیموری نے گجرات کا الحاق اپنے ممالک محروسہ سے کر لیا تھا، اس زمانہ میں علامہ وجیہ الدین علوی اور شیخ محمد طاہر محدث جیسے علمائے باکمال بقید حیات تھے، ان کی عزت واحترام میں بادشاہ نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، خان اعظم اور خان خاناں جو یکے بعد دیگرے صوبیدار مقرر ہوئے، وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان بزرگوں سے ملتے اور حسن سلوک کرتے تھے، خان خاناں نے اپنے دوران قیام میں علامہ وجیہ الدین سے بعض کتب درسیہ پڑھی تھیں، اس طرح سے استادی اور شاگردی کے حقوق بھی باہم مربوط ہو گئے تھے۔ (یاد ایام:۱۰۷)

شریعت خان - قاضی عبداللہ کے چھوٹے بیٹے تھے، ۱۱۲۱ھ میں جب ان کے بڑے بھائی قاضی عبدالحمید اقضی القضاۃ کی

خدمت جلیلہ پر فائز ہوئے تو یہ ان کی جگہ صوبہ گجرات کے دیوان مقرر ہوئے اور تین برس کے بعد جب قاضی عبدالحمید نے قاضی القضاتی کے عہدے سے استعفا دیا تو یہ ان کی جگہ اقضی القضاۃ ہو گئے اور غالباً فرخ سیر کے عہد تک اس خدمت پر منصوب رہے۔ (یادایام:۱۱۵)

یہ معدودے چند علما ہیں جو شاہان مغلیہ کے زمانہ میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے، اور اپنی خدمات متعلقہ کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ عالمگیر جیسے دقیقہ رس بادشاہ کے حضور میں اپنے حسن خدمت اور پسندیدہ کارگزاری کی وجہ سے ہی ہمیشہ مورد تحسین وآفریں رہے۔

بہت سے ایسے علمائے گجرات باقی ہیں، جو مختلف مقامات پر قضاوافتاء کی خدمتوں پر مامور تھے، ملا قاضی محمد شریف، قاضی ابوالفرح، قاضی ابوالخیر، قاضی خیراللہ، قاضی نظام الدین، قاضی رکن الحق، قاضی عبدالرسول، قاضی شرف الدین، قاضی ابوالحسن، مفتی محمد اکبر، مفتی محمد شریف، مفتی عبداللہ اور سیکڑوں علماء جن کے نام بھی معلوم نہیں، حالات کون لکھ سکتا ہے، نہ ان کے حالات قلم بند کرنے کی یہاں ضرورت ہے۔ (یادایام:۱۱۷)

گجرات کے مصنفین کی فقہ اور اصول فقہ میں تصنیفات

فقہ

مصنف	تصنیفات
سید حسین العریضی	(۱)حاشیہ علی الھدایہ
حضرت علی بن احمد المہائمی	(۱)الفقہ المخدومی
مفتی رکن الدین ناگوری	(۱)الفتاوی الحمادیہ
قاضی جگن	(۱)خزانۃ الروایات
محمد جمال الدین بن عمر بحرق	(۱)حلیۃ البنات و البنین و زینۃ الدنیا و الدین
نعمت اللہ النہروالی	(۱) صلوۃ التراویح (۲) عیون الشرح
قاضی عیسیٰ علاء الدین	انتقال المقلد عن قول من قلدہ من الامام
شہاب الدین عباسی	(۱) شرح المنہاج (۲) شرح علی مختصر ابی شجاع
رحمت اللہ سندھی	(۱)جمع المناسك و نفع المسالك (۲) لباب المناسك و عباب المسالك (۳)مختصر في مناسك الحج (۴) رسالۃ فی بیان اقتداء بالشافعیہ و الخلاف فی ذالك
یوسف نجم الدین سدھپوری	(۱)مجمع الفقہ
شیخ عبدالقادر العیدروس	(۱)صفوۃ الصفوہ ببیان احکام القھوہ
عبداللطیف الفتنی	(۱)شرح المواھب
شیخ اسحاق بھروچی	(۱)تحریم شرب الدخان

ملک احمد	(۱)حاشیۃ شرح الوقایہ (۲)حاشیۃ علی شرح المواھب
مولانا احمد الکردی	(۱)حاشیہ علی باب المحلی
محی الدین نہروالی	(۱)مجموعۃ الأصول
سعد اللہ سورتی	(۱)حاشیہ علی یمین الوصول
ابوبکر احمد آبادی	(۱)رفع النقاب وکشف الحجاب عن وجہ الصلوۃ علی نعش عالی جناب
شیخ عبد القادر الفتنی	(۱)فتاوی
قاضی عیسی جوناگڑھی	(۱)فتح القادر شرح الھدایہ
شیخ نورالدین احمد آبادی	(۱)حاشیہ علی شرح الوقایہ(۲)حاشیہ علی التلویح(۳)حاشیہ علی شرح المطالع
عبد النبی احمد نگری	(۱)حاشیہ علی فرائض السراجیہ
محمد ابراھیم باعکظہ	(۱)تحفۃ الاخوان
حسن الانصاری	(۱)کتاب الحجہ بلاجدال في جواز الجمعۃ باربع الرجال (۲)الکشاف لبیان مافي عدد الجمعۃ من الخلاف
عبد القادر باعکظہ	(۱)تحفۃ المشتاق في احکام النکاح والانفاق
شیخ ابراھیم جوناگڑھی	(۱)وسیلۃ النجاۃ في احکام الممات
عبد اللطیف قاری	(۱)رسالۃ فی العقیقۃ
محمد پناہ	(۱)نصیحۃ عباد اللہ وامۃ رسول اللہ.
شمعون بن محمد الغوری	(۱)المسائل الشمعونیہ (کتاب السوال والجواب)
سید امین جی	(۱)حساب المواریث (۲)السوال والجواب في الفقھہ (۳) حواشی علی دوائم الاسلام (۴)المنتخب المنظوم
شیخ شمس الدین	فصل في ذکر قاطع الصلوۃ
شیخ لقمان	سیاقۃ الوجیھیہ في ترتیب الدین وتبیین فرض شھر رمضان
شیخ حکیم الدین	(۱) الارجوزۃ في بیان مافی سنن من سنن الصلوۃ(۲)تبویب مسائل میاں شمعون
شیخ ابراھیم سورتی	الفتاوی السیفیہ
شیخ طیب زین الدین	المسائل الزینیہ
فیض الحسن سورتی	فرح شاھی شرح خلاصۃ الکیدانی (۲)فتاویٰ نقشبندیہ
قاضی نظام الدین احمد بن محمد جیلانی	فتاوی ابراھیم شاھی

شیخ محمد بن ہاشم سورتی	جو اهر النظم
شیخ محمد بن یوسف سورتی	کتاب زکوٰۃ الصید فیما اصابه الرصاص
شیخ احمد بن سلیمان گجراتی	حاشیه بر حاشیه عبدالحکیم
قاضی عیسیٰ بن عبدالرحیم گجراتی	(۱) رساله در مسئله سماع

اصول الفقه

شیخ حسن چشتی	حاشیه علی التلویح
شاہ وجیہ الدین علوی	(۱)حاشیه علی اصول البزدوی (۲)حاشیه علی التلویح (۳)حاشیه علی شرح العضدی علی المختصر لابن حاجب (۴)حاشیه علی شرح الوقایه
محمد فرید	(۱)حاشیه علی التلویح
الشلی	(۱)شرح مختصر الایضاح
شیخ جمال الدین چشتی	(۱)حواشي علی التلویح
شیخ نورالدین احمد آبادی	(۱)حاشیه علی التلویح (۲)حاشیة علی شرح الوقایه
شیخ جمال الدین بن رکن الدین	(۱)حاشیة التلویح علی التوضیح
شیخ عبدالنبی عبداللہ شطاری	(۱)الموهب الالٰهی شرح اصول ابراهیم شاهی
شیخ احمد بن سلیمان گجراتی	(۱)حاشیه بر حاشیه ملا عبدالحکیم

عدالت:

انصاف کے لئے عدالت کا بھی محکمہ تھا، اس کے لئے ہر شہر میں ایک مفتی اور ایک قاضی ہوتا، قاضی کی اپیل قاضی القضاۃ کے یہاں جاتی اور اس کی اپیل اقضی القصاۃ کے یہاں ہوتی، آخری اپیل خود بادشاہ کے یہاں ہوتی، بادشاہ خود بھی انصاف کا خیال رکھتا، اور جہاں تک ممکن ہوسکتا، انصاف کرنے میں دریغ نہ کرتا، چنانچہ سلطان احمد شاہ اول نے اپنے داماد کو مانک چوک میں صرف اس لئے قتل کر ڈالا تھا کہ اس نے محض غرور جوانی میں کسی کو مار ڈالا تھا۔

سلطان محمود اول نے اپنے دو بہترین امیروں کو اس بنا پر مار ڈالا کہ ان دونوں نے دو غرب آدمیوں کو اصلی مجرم کے عوض میں بادشاہ کے سامنے پیش کر کے قتل کرایا تھا۔

بادشاہ لوگوں کی عرضیاں خود اپنے ہاتھ سے بھی لیا کرتا تھا، لیکن مظفر حلیم کے وقت میں جب ایک دفعہ عرضی لیتے وقت مدعی کی انگوٹھی سے بادشاہ کی آستین پھٹ گئی، تو ایک لمبے بانس کے سرے پر عرضی باندھ کر پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔

بادشاہ خود عدالت کا احترام کرتا تھا، اس کے احکام کی خود بھی تعمیل کرتا، چنانچہ سلطان محمود نے اپنے لئے ایک رباب تیار کرایا تھا جو چھ

مہینے میں جا کر تیار ہوا تھا، کاریگر رباب لے کر بادشاہ کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستہ میں قاضی صاحب سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے اس کو مذہب کے خلاف سمجھ کر توڑ ڈالا، بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو اُس نے قاضی صاحب کو کچھ نہیں کہا۔

ایک مرتبہ مظفر حلیم پر گھوڑوں کے ایک تاجر نے دعویٰ دائر کر دیا، قاضی نے بادشاہ کے نام سمن جاری کیا، قاضی کے حکم کے بموجب بادشاہ فوراً عدالت میں حاضر ہوا، قاضی نے مدعی کے تمام دلائل سن کر بادشاہ پر ڈگری جاری کر دی، جب تک ڈگری کے تمام روپئے ادا نہیں ہو گئے بادشاہ اپنے مدعی کے ساتھ عدالت میں کھڑا رہا۔

مظفر حلیم بھیس بدل کر راتوں کو گشت کرتا، تا کہ رعایا کا حال بچشم خود دیکھے، اس نے ایک دفعہ اسی گشت میں ایک سپاہی مجرم کو گرفتار کیا، جو جبراً ایک شخص کے گھر میں گھس جایا کرتا تھا۔

محکمۂ عدالت میں قاضی، قاضی القضاۃ، اقضی القضاۃ، صدر القضاۃ، ملک القضاۃ کے خطابات رائج تھے، ان خطابات کی یہ خصوصیت تھی کہ جب تک ان میں سے کسی خطاب کا آدمی زندہ رہتا، یا اپنے عہدہ سے معزول نہ کیا جاتا، کسی دوسرے کو وہ نہ ملتا، دوسرے ان کے درجات کے مطابق جاگیر بھی مقرر ہوتی، خطاب یافتہ باپ کے مرجانے سے ان کی جاگیر بیٹے کو نہیں ملتی، بلکہ اس کے مرنے کے بعد جس شخص کو وہ خطاب ملتا، جاگیر اس کے قبضہ میں چلی جاتی۔ (ظفر الوالہ ج: ۲، بیان محمود و مظفر لندن)

محکمۂ احتساب اور پولیس:

گجرات میں پولیس کا ایسا انتظام جیسا کہ آجکل ہے، تاریخ میں میری نظر سے نہیں گذرا، تاہم راستہ کے ہر نکڑ (چوراہہ) پر ایک پولیس چوکی امن قائم رکھنے کے لئے موجود رہتی، تمام شہر کا ایک کوتوال ہوتا، جس کے ماتحت پولیس کام کرتی، جو چوروں اور بدمعاشوں کو نگاہ میں رکھتی، اس کام کے لیے زیادہ تر وہ لوگ لیے جاتے جو اس فن میں ماہر ہوتے، سلطان محمود اول کے زمانہ میں محافظ خاں اس عہدہ پر ممتاز تھا، جو ترقی پا کر آخر میں وزارت تک پہنچ گیا تھا، ۹۵۴ھ میں بعہد سلطان محمود ثالث ناصر حبش خاں اس عہدہ پر مامور تھا، جو بعد کو دیو کا گورنر ہو گیا تھا۔

احمد آباد شہر کا کوتوال ایک دفعہ بازار میں جا رہا تھا کہ سر بازار اس نے ایک شخص کو گرفتار کر لیا جو بظاہر بڑا شریف انسان نظر آ رہا تھا؛ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ گھوڑوں کا چور تھا۔

اسی کے ساتھ ایک محکمۂ احتساب بھی تھا، جس کے افسر کو محتسب کہتے تھے، اخلاقی اور شرعی امور کی دیکھ بھال اس کے سپرد تھی، مظفر شاہ اول کے عہد میں اس عہدہ پر مولانا خانو اس عہدہ پر ممتاز تھے۔

سزائیں:

سزائیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتیں، عام طور سے قید کرنا، کوڑے مارنا، ہاتھ کاٹنا، قتل کرنا، پھانسی دینا ہوتا تھا، توپ سے اڑا دینا، کھال کھینچنا یا دیوار میں چنوا دینا، اتفاقی سزائیں تھیں، جو کبھی کبھی غیر معمولی جرموں پر دی جاتیں، البتہ سیاسی مجرموں، خصوصاً باغیوں کی سزا بڑی سخت اور روح فرسا ہوتی، جنگی ہاتھیوں کے آگے ڈال دینا، جس کو وہ اچھال کر پاؤں کے نیچے دبا کر مار ڈالتے، اکبر کے ابتدائی عہد کے سوا اور کبھی گجرات میں تاریخوں میں مجھے نظر نہیں آیا۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ، مسلمانوں کے عہد میں: ص: ۳۷ تا ۴۰)

سترہویں اوراٹھارہویں صدی کا سیاسی اورعلمی وفقہی پس منظر

گجرات کے حکام کی اجمالی فہرست:

۶۹۷ءکی ابتدامیں کرن باگھیلہ راجہ گجرات کاوزیر مادھوگجرات پرحملہ کرنے کے لیے علاءالدین خلجی کوآمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا، گجرات کوالغ خان سپہ سالار نے فتح کرلیا، اورالغ خاں یہاں کامستقل حاکم مقررکردیا گیا، اوراس وقت سے لےکر ۸۰۰ھ کے آخر تک دہلی کے ایک صوبہ کی حیثیت سے گجرات پرحکومت ہوتی رہی، علاءالدین خلجی کے بعدقطب الدین متوفی (۷۱۶ھ، ۱۳۱۶ء) اور خسروگجراتی (۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء) دہلی کے بادشاہ ہوئے، (۷۲۰ھ، ۱۳۲۰ء) میں تغلق خاندان برسرحکومت ہوا، اس میں غیاث الدین ملک تغلق غازی ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء، سلطان محمدشاہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء، فیروزشاہ ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء، محمد شاہ ثانی ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء، محمود شاہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ءنے دہلی میں حکومت کی اوران کے نائب صوبہ دار گجرات آتے رہے، ان صوبہ داروں میں الپ خان ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء ظفرخان ملک دینار، نظام الملک ۷۴۶ھ ۱۳۴۵ء، ظفرخان ۷۶۴ھ ۱۳۶۲ء، دریاخان ۷۷۱ھ ۱۳۶۹ءبہترین حاکم تھے، جنہوں نے امن قائم رکھنے کے ساتھ تجارتی، معاشرتی اوراخلاقی ترقی میں کافی حصہ لیا۔

آٹھویں صدی ہجری ۱۴۰۰ءکے آخرمیں محمدشاہ ثانی تغلق نےظفرخاں بن وجیہ الملک سہارن کوگجرات کاحاکم بنایا، خاندان تغلق کے ختم ہوجانے پریہ خودمختار ہوگیا، یہی شخص سلاطین گجرات کامورث اعلیٰ ہے۔

محمدشاہ اول ۸۰۶ھ ۱۴۰۳ء، مظفرشاہ اول ۸۱۰ھ ۱۴۰۷ء، احمدشاہ اول ۸۱۳ھ ۱۴۱۰ء، محمدشاہ ثانی ۸۴۶ھ ۱۴۴۲ء، قطب الدین ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء، محمودبیگڑہ ۸۶۳ھ ۱۴۵۸ء، مظفرحلیم ۹۱۷ھ ۱۵۱۱ء، سکندر ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء، بہادرشاہ ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء، محمود ثالث ۹۴۳ھ ۱۵۳۶ء، احمدثالث ۹۶۱ھ ۱۵۵۳ء، مظفررابع ۹۶۸ھ ۱۵۸۰ء، گجرات کے خودمختارحکمران ہوئے، گجراتی راجپوت خاندان میں یوں تواٹھارہ سلطان ہوئے؛ لیکن ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

(۱) مظفرشاہ اول (۲) احمدشاہ اول (۳) محمودشاہ اول (۴) مظفرشاہ ثانی (۵) بہادرشاہ، ان کاشماران سلاطین میں ہے جن پر گجرات بجاطورپرفخرکرسکتاہے، اور بہادرشاہ نے فتوحات کادروازہ کھول کرسلطنت اس قدروسیع کردی کہ نصف ہندوستان کاوہ شاہنشاہ بن گیا، زراعت، تجارت، تعمیرات اورعلوم وفنون میں گجرات کواس قدر بلندمرتبہ پرپہنچادیاکہ آج انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، فوجی اعتبار سے بھی گجرات کاصوبہ ہندوستان کے دیگرصوبوں پرفضیلت رکھتاتھا، اس کے عروج کے زمانہ میں فوجوں کی تعدادعلاءالدین خلجی شہنشاہ دہلی کی فوجوں کے برابرتھی، اس کاتوپخانہ اس قدراعلیٰ درجہ کاتھا کہ ہندوستان میں کوئی اس کامقابلہ نہ کرسکتا تھا، بحری بیڑا بھی اس کا لاجواب تھا، ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ءمیں اس صوبہ پرمحمداکبربادشاہ دہلی قابض ہوا، اوراس وقت سے مغل شہنشاہوں کے ناظم آتے رہے، جہانگیر ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء، شاہ جہاں ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ءاورنگزیب عالمگیر ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۸ء، محمدمعظم بہادرشاہ ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ءتک تو نظامت کاسلسلہ ٹھیک رہا؛ لیکن اس کے بعدخانہ جنگی شروع ہوئی، تویہ سلسلہ ۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ءمیں ختم ہوگیا، اورپھرگجرات پرقبضہ پانے کے لیے امراءمیں کش مکش رہی، اس کانتیجہ یہ نکلاکہ ۱۱۷۱ھ ۱۷۵۷ءمیں احمدآبادپرمرہٹوں کاقبضہ ہوگیا، اورچندچھوٹے بڑے ضلعوں پر

مسلمان امراء کوقناعت کرنی پڑی، جونا گڑھ، رادھن پور، پالن پور، کھنبایت وغیرہ پران ہی امراء کی اولاد آج حکومت کررہی ہے۔

مغلیہ عہد میں گو گجرات کو ویسی ترقی تو نہ ہوئی جیسی خودمختار سلاطین گجرات کے عہد میں تھی، لیکن انہوں نے گجرات کو زوال پذیر ہونے نہ دیا، اوراس کو اچھی حالت اوراصلی رنگ میں رکھنے کی پوری کوشش کی۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ)

گجرات کے حکام کی اجمالی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی یعنی گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری اکبر بادشاہ کے ۹۸۰ھ، ۱۵۷۲ء تا ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء فتح گجرات کے بیس پچیس سال بعد سے لے کر مراہٹوں کے قبضے ۱۱۷۱ھ ۱۷۵۷ء کے بعد کے تیس چالیس سال پر محیط ہے، اس میں سترہویں صدی تو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے آخری زمانے ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۷ء سے لے کر ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء میں ختم ہوتی ہے، اٹھارہویں صدی کا نصف اور بارہویں صدی ہجری کے ستر سال گذرنے پر مراہٹوں کا دور شروع ہوجاتا ہے، جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ خودمختار سلطنت کا جوسنہرا علمی وروحانی ۱۸۴ سالہ دور تھا، وہ اب نصیب نہیں ہوا، اورمغلیہ دور میں گجرات کی تمام جہات سے وہ ترقی نہ ہوسکی جوسلاطین گجرات کے دور میں تھی، البتہ مغلیہ سلاطین گجرات کو زوال پذیر ہونے سے روک دیا اوراس کو اچھی حالت میں رکھنے کی پوری کوشش کی۔

خودمختار سلاطین کے دور میں جو بڑے بڑے مدارس قائم تھے جن میں سے ۳۰ بڑے مدارس کا ذکر تاریخ میں صراحۃً ملتا ہے، اور اسی طرح بڑے بڑے ۳۵ کتب خانوں کا ذکر بھی مذکور ہے، نیز علمائے کرام وفقہائے عظام کی کثرت سے جو آمدورفت ہوتی تھی ان سب کا مجموعی طور پر جو اثر معاشرہ اور علمی مجالس پر ہوتا تھا، اس میں کچھ کمی ضرور آئی تھی، لیکن پھر بھی علمی اعتبار سے سترہویں صدی بڑی بارآور ثابت ہوئی، اٹھارہویں صدی کا نصف تو ٹھیک رہا؛ لیکن مرہٹوں کے حملے کے بعد کے حالات نے علمی وسیاسی زوال کی جو بنیاد ڈالی وہ رفتہ رفتہ بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی۔

بھروچ کا محکمۂ قضا کا کتب خانہ

دستور القضاۃ از قاضی سید محمد نورالدین حسین، مختصر تاریخ ہندوستان، مختصر تاریخ گجرات از قاضی سید محمد نورالدین حسین بھروچی۔

تذکرۂ سادات شیرازی از قاضی سید محمد نورالدین حسین صاحب رضوی شیرازی قاضی شہر بھروچ کی تصنیف ہے۔ نیشنل آرکایوز کا اس کا نسخہ خودمصنف کا ہے۔ مصنف نے تذکرۂ شعرائے گجرات موسوم بہ مخزن الشعراء کے علاوہ تحفۃ العرفان اور **جواہر الفقہ** نامی کتابیں لکھی ہیں۔

اس خاندان کے سید احمد حسین صاحب متوفی ۱۲۰۰ھ اول شخص ہیں جو احمدآباد سے بھروچ کی قضا کے عہدے پر مامور ہوکر وہاں تشریف لے گئے، ان کی چوتھی پشت میں قاضی سید محمد نورالدین حسین فائق تھے، انہوں نے تذکرۂ سادات شیرازی تصنیف فرمایا۔ اپنے اجداد کی طرح ان کی یعنی قاضی سید احمد حسین صاحب کی اولاد میں بھی کئی صاحب تصانیف حضرات گذرے ہیں۔ ان میں خاندان کے آخری نام لیوا جنہوں نے خود بھی اچھی خاصی علمی خدمات انجام دیں۔ قاضی سید نورالدین حسین صاحب تھے، جن کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہوا اور جن کے کتب خانے میں نہایت اہم کتابیں تھیں جن میں سے کچھ نیشنل آرکایوز دہلی، بمبئی یونیورسٹی لائبریری، پیر محمد شاہ درگاہ شریف لائبریری وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، انہوں نے گجرات کی علمی اور تمدنی تاریخ پر اردو اور گجراتی میں متعدد مضامین لکھے جو معارف اعظم گڑھ اور بمبئی اوراحمدآباد کے موقر ادبی اور علمی رسالوں میں شائع ہوئے۔

بھروچ گجرات کا قدیم شہر ہے، یونان کی فوجیں جب ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں تو اس وقت بھی یہ شہر موجود تھا، یہاں ہمیشہ قضا کا محکمہ رہا، آخری عہد میں یہ مولانا سید احمد شیرازی کے خاندان میں آ گیا، ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، جس کا بچا کھچا حصہ ان کے اخلاف میں اب تک موجود ہے، ۱۹۳۲ء میں جب راقم (مولانا ابوظفر ندوی مرحوم) نے اس کو دیکھا تو اس وقت بھی بعض نایاب کتابیں موجود تھیں، مکرمی قاضی نورالدین کا بیان ہے کہ میرے ہوش سنبھالنے تک اس کتب خانہ کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، مثنوی مولانائے روم مکتوبہ ۱۰۹۰ھ/ ۱۶۷۹ء جلد پنجم بطرز جدید، سرخسی کی محیط جلد ثانی مکتوبہ ۹۰۹ھ/ ۱۵۰۳ء حدیث کی کتاب المخازن المعروف جلد ثانی بطرز جدید، کتاب الخلاصۃ فی الفتاوی مولفہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید، مجمع البحرین وغیرہ چند کتابیں اس کتب خانہ کی قابل ذکر ہیں، افسوس ہے کہ یہ بقیہ کتابیں بھی آہستہ آہستہ گجرات سے باہر جا چکی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ بھروچ کے قاضی نورالدین صاحب کے کتب خانہ کی مخطوطہ کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک فقہی کتاب کا بھی ذکر کرتے ہیں، جو نظم کی شکل میں ہے، یہ اس دور کی زبان اور عوام کی رعایت کرتے ہوئے سادہ زبان میں ہمیں اپنے عوام کی رہنمائی کرنے کی ترغیب دے رہی ہے۔

رسالہ فقہ ہندی:

یہ فقہی مسئلوں کے بیان میں ایک نظم ہے، آغاز کے اشعار یہ ہیں:

حمد وثنا سب رب کوں خالق کل جہاں — لائق حمد ثنائے کے اورنگونہ جان

علم شریعت نال وی بھیجا پاک رسول — جو کچھ بھیجا رب نے سب ہم کیا قبول

یا رب اپنے کرم سوں بے حد بھیج درود — نبی محمد مصطفی تسوں ہوں خوشنود

پیچھواُن کی آل پر اور اصحاب تمام — تس پیچھو احباب پر بہت درود سلام

کیتے مسئلے دین کے عبدر کھے امین — فقہ ہندی زبان سے بوجو کرو یقین

مطلب مسئلے پوچھنا جو کچھ ہوے زباں — عربی ترکی فارسی ہندی یا افغاں

اس کے بعد فقہی ابواب ہیں، اور ان کے تحت میں ہر قسم کے مسائل ہیں، خاتمہ میں تصنیف کا سال ۱۰۷۵ھ بعہد اورنگ زیب عالمگیر صاف بتایا گیا ہے، خاتمہ میں ہے۔

فقہ ہندی کوں مومناں کروزبان پر یاد — مسائل ادین دین کے کبھی نہ ہوے فساد

سنہ ہزار پچھتر پیچ ماہ رمضان تمام — اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام

اس فقہی نظم میں خاص چیز نظم کا وزن ہے، جو عربی، فارسی کے بجائے ہندی وزن کی پیروی میں ہے، اس نظم سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پرانے لوگوں کے زمانہ میں ہندی کس کو کہتے تھے۔

داستان حضرت ماہ رمضان: اس نظم میں ماہ رمضان کی فضیلتوں کا ذکر ہے، مصنف کا نام بدیع الدین ہے، شروع کے شعر حسب ذیل ہیں:

سرنامہ ازنامِ سُبحاں لکھوں — کہ دل کی ورق پر سجل کر لکھوں

زبان کو ہے جو ہر اسی کو ثنا — اسی کی سوقدرت ہے جگ میں عیاں
کریم ورحیم ووہ غفار ہے — کرم عاصیاں پر کرتا رہے
ز ہر چیز اس کی صنعت کا بیاں — کہ پیدا کیا جن نے ارض وسما

آخر میں لکھا ہے:

کرو اُس کی سب نعمتوں پر شکر — مصیبت کے اوپر حکم ہے صبر
کہ تاعاقبت تیری ہووے بھلی — کہ شادی وغم جگ میں جائے چلی
بدیع الدین تعریف عمل کی کرو — کہ چھوٹک کی جس میں توقع دھرو

اس نظم کی خصوصیت خاص فارسی آمیز ترکیبیں اور قافیوں میں صرف صوفی ہم رنگی ہے، عربی الفاظ حکم اور صبر وغیرہ کو اس طرح باندھا ہے، جس طرح ہندی میں بولے جاتے ہیں۔

فقہ مبین:

یہ نظم فقہ کے مسائل میں ہے، آغاز اس طرح ہے:

بنامِ پاک رب العالمین سوں — شروع کرتاہوں فقہ مبین سوں
بحق مفخر ومقبولِ مرسل — سبھی عقدہ فقہ کے مجھ پہ کر حل
مسائل فقہ کے ہیں اصل ایماں — جونیں بوجے سووہ کیوں ہووے مسلماں

اس کے بعد اپنے تمام ۴۰ ماخذوں کا نظم میں ذکر کیا ہے، پہلے ایمان کے مسائل، پھر طہارت، وضوء، غسل وغیرہ، اس کے آخر میں بدعت کا رد اور جوے کی بُرائی ہے، اخیر میں ہے:

یقین فقہ المبین کوں کرتے مختوم — بحقِ دین پناہ آلِ معصوم
صدوہشتاد دوالف ہجرہ — بتاریخ ہمایوں گشت تمّت
اگھیارہ سومیں اسی اوپر دو — سنہ ہجری نبیوں کے تبایوں

رسالہ کے آخر میں خاتمہ کی عبادت ہے:

''نسخۂ قوت دین فقہ المبین تصنیف حضرت شاہ یقین رحمۃ اللہ علیہ''

اس سے مصنف کا نام شاہ یقین، کتاب کا نام ''قوت دین المبین'' اور تصنیف کا سال ۱۱۸۲ء معلوم ہوتا ہے۔ (مقالات سلیمانی: حصہ دوم، ص: ۳۸۲ تا ۳۹۰)

فقہ وافتاء، حقیقت وماہیت اور باہمی تعلق

فقہ اسلامی قرآن وسنت کا عُصارہ ونچوڑ ہے، جو فقہائے کرام کی انتھک کوششوں اور بے پایاں محنتوں کا ثمرہ ہے، اور افتاء کا فقہ کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک فقیہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر قرآن وسنت میں غور کرکے پیش آمدہ مسائل کے احکام مستنبط

کرتا ہےتو ان مسائل کے مجموعے کو ”فقہ“ کا نام دیا جاتا ہے،اور جب کوئی سائل اس کے پاس آ کر انہی مسائل سے متعلق دریافت کرتا ہے تو فقیہ کے اس بیانیے کو ”فتوی“ اور ”افتاء“ کے خوبصورت الفاظ مل جاتے ہیں،لہذا فقہ وافتاء یا فقہ وفتویٰ دولازم ملزوم چیزیں ہیں،قرونِ اول میں فقہ کا ظہور ہوا تو افتاء کا سلسلہ بھی روزِاول سے قائم ہو گیا۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک فقیہ تھے اور امت کے اولین مفتی بھی۔(فقہ وافتاء کا تاریخی ارتقاء-ایک مطالعہ)

عربی زبان میں فتویٰ (یا فُتوٰی) اور فُتیا، اِفتَاء سے ماخوذ ہے،جس کے معنی اظہارو بیان ورائے دہندگی کے ہیں،(لسان العرب: مادہ: فتی) مصدری معنی (رائے دہندگی) کے علاوہ خود (رائے) اور (رائے دہندہ کے کام) پر بھی فتوی اور فتیا کا اطلاق ہوتا ہے، کچھ لوگوں نے ان دونوں کے درمیان فرق بیان کیا ہے،چنانچہ فتوی کو صرف دی ہوئی رائے کا مترادف قرار دیا ہے،اور فتیا کو باقی دونوں معانی کے لئے خاص بتایا ہے،مگر لغت کی کتابوں سے اس تفریق کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں فتوی کے بجائے لفظ فتیا کا استعمال عربوں کے یہاں زیادہ رہا ہے،کتب حدیث میں بھی فتوی کے بجائے فتیا کا لفظ ملتا ہے،لغت کی کتابوں میں کسی ایسی عبارت یا شعر کا ذکر نہیں جس میں فتوی کا لفظ استعمال ہوا ہو،اگر چہ علماء وفقہاء نے بعد میں دونوں ہی الفاظ عام طور پر استعمال کئے ہیں،شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: **الفتوی والفتیا اسمان یوضعان من موضع الإفتاء الا ان لفظة الفتیا اکثر استعمالا في کلام العرب من لفظة الفتوی۔(المصباح: ۱۵)** گویا عرب میں فتیا معروف ہے اور عجم میں فتوی معروف ہے،اور اس کی جمع فَتَاوٰی یا فَتَاوِی معروف رہی ہے۔(نور البصر ،ص: ۱۴۸،کشف الظنون: ۲/ ۱۲۱۸)

قرآن مجید میں بھی گیارہ مقامات پر اس کے مشتقات وارد ہوئے ہیں۔(المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم: ص/ ۵۱۲) اور حدیث کی نو مشہور کتب-جن کی فہرست سازی **المعجم المفھرس** میں کی گئی ہے-میں بارہ مواقع پر فتیا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔جو اِستِفتَاء (سوال پوچھنے) اور اِفتَاء (جواب کی وضاحت کرنے) کے مختلف صیغے ہیں۔ اسی سے پوچھنے والے کو مُستَفتِی اور فتوی دینے والے کو مُفتِی کہتے ہیں۔ (دستور العلماء: ۳/ ۱۳)

فتوی کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں،بعض لوگوں نے فتوی کی وہی تعریف کی ہے جو اجتہاد کی ہے،کیوں کہ متقدمین کے نزدیک افتاء اور مفتی سے مراد مجتہد ہوا کرتا تھا،اسی لئے بہت سے علماء اصول نے اجتہاد وتقلید کی بحث میں افتاء اور استفتاء کے احکام ذکر کئے ہیں،جس میں بمقابلہ اجتہاد کے عموم پایا جاتا ہے۔(قاموس الفقہ: ۲/ ۱۸۱)

اصطلاح میں فتوی سے مراد پیش آمدہ مسائل اور مشکلات سے متعلق دلائل کی روشنی میں شریعت کا وہ حکم ہے جو کسی سائل کے جواب میں کوئی عالم دین اور احکام شریعت کے اندر بصیرت رکھنے والا شخص بیان کرے۔

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

- مفتی کے فتویٰ کی حیثیت خبر واطلاع کی ہوتی ہے،جیسے قاضی فریقین پر احکام کو لازم قرار دیتا ہے،مفتی مستفتی پر اپنی طرف سے کسی حکم کو لازم نہیں کرتا اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔
- فتویٰ حکم سے متعلق ایسی اطلاع کو کہتے ہیں جو کسی سوال کے جواب میں ہو،سوال واستفسار کے بغیر اپنی طرف سے حکم شرعی کی رہنمائی کی جائے وہ وعظ وارشاد ہے نہ کہ فتویٰ۔

♦ فتویٰ ایسے سوال کا جواب ہوتا ہے جو پیش آمدہ واقعات سے متعلق ہو، اگر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، بلکہ اس کو فرض کر کے جواب دیا گیا تو یہ تعلیم ہے نہ کہ افتاء، اس طرح فتویٰ کی جامع تعریف ڈاکٹر شیخ حسین محمد ملاح کے الفاظ میں اس طرح ہوگی:

الإخبار بحكم الله تعالى عن الوقائع بدليل شرعي لمن سأل عنه۔ (الفتویٰ نشأتها وتطورها: ۱/۳۹۸)

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعہ اللہ تعالی کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا متقدمین کے نزدیک فتویٰ خود اجتہاد سے عبارت تھا، چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید کا رواج عام ہوا، اور مجتہدین مفقود ہو گئے تو جو لوگ فقہاء کے آراء و اقوال کو نقل کرتے تھے وہی لوگ مفتی کہلانے لگے، اصل میں اس عہد میں عام طور پر نقل فتاوی کا کام ہوتا ہے اور انہیں کو مفتی کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ، علامہ ابن ہمامؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

فأما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت، والواجب عليه إذا سئل أن يذكر قول المجتهد كالإمام على وجه الحكاية، فعرف أن مايكون في زماننا من فتوىٰ الموجودين ليس بفتوىٰ، بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي. (الدر المختار مع الرد: ۱/۱۶۸، مقدمه)

غیر مجتہد جسے مجتہدین کے اقوال یاد ہو وہ مجتہد نہیں ہے اور اس پر واجب ہے کہ جب سوال کیا جائے تو مجتہد کا قول ذکر کرے، جیسے بطور حکایت کے کہے کہ یہ فلاں امام کا ہے، فلاں امام کا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے زمانہ میں موجودہ لوگ جو فتویٰ دیتے ہیں وہ درحقیقت فتویٰ نہیں ہے؛ بلکہ وہ مفتی کے اقوال کو نقل کرنا ہے تاکہ مستفتی اس پر عمل کریں۔

غالبًا اسی پس منظر میں مولانا عمیم الاحسان مجددیؒ نے فتویٰ کی تعریف اس طرح کی ہے:

تبيين الأحكام الصادرة عن الفقهاء في الوقائع الجزئية۔ (أدب المفتي: ۴)

جزئی واقعات میں فقہاء سے منقول احکام کو بیان کرنے کا نام فتویٰ ہے۔ (قاموس الفقہ: ۲/۱۸۱-۱۸۲)

فتوی نویسی کے آداب اور مفتی و مستفتی سے متعلق مختلف مباحث کا جائزہ لینا طوالت کا موجب ہوگا، اس لئے ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہاں فتویٰ نویسی کی تاریخ، کتب فتاوی اور ان کی قدر و قیمت، پر تبصرہ کیا جاتا ہے؛ تاکہ فقہی خدمات کے مطالعہ سے قبل اجمالی طور پر اس فن کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل ہو جائیں۔

فتویٰ کی ابتداء:

فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوتا ہے، چودہ صدی کے طویل عرصے میں علماء نے اس شعبے کی دینی اہمیت کے پیشِ نظر ہمیشہ ہی اس کا خصوصی اہتمام کیا ہے، تمام مسلمان اپنے اکثر دینی و دنیاوی امور کے متعلق پیش آمدہ مشکلات اور مسائل کے حل کی خاطر برابر ان کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں، ان مسائل کا تعلق خواہ عقائد و عبادات سے ہو یا معاملات و اخلاق سے یا آپسی اختلافات و نزاع سے، ہر حال میں وہ شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے مفتیان کرام سے مدد لیتے رہے ہیں، اور انہوں نے افتاء کو اپنا فریضۂ منصبی تصوّر کرتے ہوئے ہمیشہ ہی ان کی رہنمائی کی ہے، افتاء کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود اللہ تعالی نے اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے، قرآن مجید میں دو جگہ (سورۂ نساء: ۱۲۷، ۱۷۶) لوگوں کے فتوی پوچھنے کے جواب

میں اللہ کے فتوی دینے کا ذکر آیا ہے۔

﴿قُل اللہ یفتیکم فیھن﴾ (النساء:۱۲۷) ایک اور موقع پر ارشاد ہے ﴿قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ﴾ (النساء:۱۷۶) گویا اللہ تعالی کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالی نے اپنے منشاء کی تشریح وتوضیح اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوالہ کی، ﴿لیبین للناس ما نزل إلیھم﴾ (النحل:۴۴) یہ بیان وضاحت کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر عہد کے علماء ارباب افتاء کے حصہ میں آئی ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے، اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لئے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے؟ و لیعلم المفتی عمن ینوب في فتواہ۔ اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے: المفتی موقع عن اللہ تعالی۔ (شرح مہذب:۱/۴۰، مقدمہ، قاموس الفقہ:۲/۱۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور دیگر ائمۂ دین وعلمائے امت نے اس ذمہ داری کو بخیر وخوبی نبھایا، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

اس عرصے میں استفتاء اور افتاء کے طریقے بدلتے رہے، عہد رسالت میں فتاوی کا سلسلہ اکثر وبیشتر زبانی طور پر ہی چلتا رہا، جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے، اس کا جواب کبھی تو قرآنی آیات کی صورت میں ملتا تھا اور کبھی وحی کی اساس پر اپنے اجتہاد سے فتوی دیتے تھے، قرآن مجید میں جن فتاوی کا ذکر آیا ہے ان کے سوالات کبھی تو ﴿یَسْتَفْتُوْنَکَ﴾ (سورۂ نساء:۱۲۷،۱۷۶) کے صیغے سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی ﴿یَسْأَلُوْنَکَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۸۹، ۲۱۵، ۲۱۷، سورۂ مائدہ: ۴، سورۂ اعراف:۱۸۷، انفال:۱) سے، ان کے جواب میں اللہ تعالی نے جو کچھ نازل کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت داری سے لوگوں تک پہنچادیا، ان کے علاوہ وہ فتاوی جو آپ نے مختلف اوقات میں صحابہ کرام کے سوالات کے جواب کے طور پر دیے، حدیث کی مختلف کتابوں میں منتشر صورت میں موجود ہیں، علامہ ابن القیم الجوزیہ (م:۶۹۱-۷۵۱) نے اپنی کتاب ''فتاویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں ان کا بڑا حصہ ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اب یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ بھی دارالعلم سے چھپ گئی ہے، اسی طرح یوسف حسن محمد حمادی صاحب نے عقائد کے بارے میں آپ کے فتاوی ''فتاوی النبی فی العقیدہ'' میں جمع کرنے کی سعی کی ہے، یہ دونوں کتابیں اب مطبوع شکل میں ہے، نیز شیخ علی احمد عبد العالی طحطاوی نے ''فتاوی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' مرتب فرمائی ہے۔

عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد بہت سے صحابۂ کرام نے اپنے اجتہاد سے بعض مشکل دینی مسائل کے بارے میں فتاوی صادر فرمائے، علامہ ابن حزم (م:۴۵۶ھ) نے ایسے ۱۴۲ صحابہ اور ۲۰ صحابیات کا ذکر کیا ہے، جن سے فتاوی منقول ہیں (اصحاب الفتیا:۳۱۹) اور انہیں فتاوی کی کثرت وقلت کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، سب سے زیادہ جن سے فتاوی منقول ہیں وہ بالترتیب یہ سات ہیں: حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عباسؓ۔ اور دوسرے حصہ میں ۲۰/ ایسے صحابہ ہیں جن سے ہر ایک کے فتاوی کا ایک مختصر مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے، باقی اور لوگوں سے زیادہ سے زیادہ ایک دو مسئلے منقول ہیں، ان سب کے فتاوی بھی اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا سا مجموعہ بنے گا، کچھ علماء نے بعض صحابہ کرام کے فتاوی ومسائل جمع کرنے کی طرف توجہ دی تھی، چنانچہ ابوبکر محمد بن موسی بن یعقوب بن مأمون نے حضرت ابن عباسؓ کے

فتاوی بیس حصّوں میں جمع کئے تھے، اور علامہ تقی الدین سبکی نے حضرت ابو ہریرہؓ کے فتاوی کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، مگر یہ دونوں کتابیں دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہیں، عصر حاضر میں اس طرف دوبارہ توجہ ہوئی ہے، اب تک حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کے فقہی مجموعے شائع ہو چکے ہیں ''**موسوعة فقه السلف**'' کے نام سے بھی بہت سے صحابہ و تابعین کے آراء و مسائل کا مجموعہ مکہ مکرمہ سے کئی سال قبل چھپا تھا، جو نامکمل سہی لیکن پھر بھی اہل علم اور عام قارئین کے لئے مفید ہے۔

عہد صحابہ میں فتاوی کا انداز:

عہد صحابہ میں فتاوی کا سلسلہ زبانی اور تحریری دونوں طریقوں سے جاری رہا۔ مدینہ منورہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور مصر ہر جگہ لوگ مشکل مسائل کے سلسلے میں بعض جلیل القدر صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے، جو وہاں مسند فتوی پر متمکن ہوتے، یہ سلسلہ تقریباً پہلی صدی کے اخیر تک جاری رہا، پھر تابعین اور تبع تابعین کا دور شروع ہوتا ہے، اس دور میں منصب افتاء اجلۂ تابعین و تبع تابعین کے سپرد رہا، ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو صحابۂ کرام کی موجودگی میں بھی فتوی دیتے تھے، مثلاً سعید بن المسیبؒ اور سعید بن جبیرؒ وغیرہ، علامہ ابن حزمؒ نے ہر علاقے میں عہد بہ عہد تمام مفتیوں کے نام اپنی کتاب (اصحاب الفتیا: ص: ۳۳۴، ۳۳۵) میں ذکر کئے ہیں، جن کی تفصیل یہاں طوالت کی موجب ہوگی، مختصراً اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ مدینہ میں بعض صحابہ (جیسے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ کے تربیت یافتہ سات فقہاء۔ جنہیں فقہائے سبعہ کہا جاتا ہے۔ مشہور ہوئے، یہ سعید بن المسیب، عروۃ بن زبیر، قاسم بن محمد بن أبی بکر صدیق، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، خارجہ بن زید بن ثابت، ابوبکر بن عبد الرحمن اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ ہیں، پھر ان کا سلسلہ زہریؒ اور ربیعہ بن عبد الرحمنؒ سے گزرتا ہوا امام مالکؒ اور ان کے تلامذہ تک پہنچتا ہے۔

مکہ میں حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ فتاوی صادر کرتے تھے، جیسے عطاءؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ اور عکرمہؒ وغیرہ، ان کے بعد سفیان بن عیینہؒ سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ امام شافعیؒ اور ان کے شاگردوں تک منتہی ہوتا ہے۔

کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ سے تربیت پانے والے بزرگ منصب افتاء پر فائز تھے، جن میں علقمہؒ اور قاضی شریحؒ کے نام ممتاز ہیں، ان کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعیؒ پھر حماد بن أبی سلیمانؒ اور ان کے بعد امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ نے یہ فریضہ انجام دیا۔

بصرہ میں حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ پھر قتادہؒ اور ان کے بعد حماد بن سلمہؒ، حماد بن زیدؒ اور معمر بن راشدؒ مشہور ہوئے۔

شام میں ابو ادریس خولانیؒ پھر مکحولؒ اور ان کے بعد امام اوزاعیؒ اور ان کے تلامذہ نے یہ منصب سنبھالا؛ مصر میں یزید بن ابی حبیبؒ اور ان کے بعد امام لیث بن سعدؒ اپنے زمانے کے مفتی تھے، ان کے علاوہ بغداد اور دیگر شہروں میں بہت سے علماء فتویٰ دیتے رہے، ان میں امام ابن المبارکؒ، امام احمدؒ، امام اسحٰق بن راہویہؒ، امام ابوثورؒ، امام داؤد ظاہریؒ اور ابن جریر طبریؒ وغیرہ شامل ہیں۔

مختصر یہ کہ فقہ اسلامی کا آغاز وارتقاء، ترتیب و تدوین اور تہذیب و تنقیح کے مختلف مراحل گزرے ہیں، جن سے گزر کر موجودہ فقہی ذخیرہ وجود میں آیا ہے، علامہ خضری بک نے فقہ اسلامی کی تاریخ کو چھ ۶ ادوار میں تقسیم کیا ہے، اور عہد رسالت کو پہلا دور قرار دیا ہے۔

پہلا دور:

عہد نبوی میں فقہ وافتاء:

عہد نبوی میں فقہ وافتاء کا تعلق براہ راست نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ سے تھا، اس دور میں اسلام کی نشو ونما ہو رہی تھی، مقاصد

دینیہ پر زور تھا، ضروریاتِ زندگی محدود ہونے کی بنا پر مسائل وحوادث کا ظہور کم ہوتا تھا، اور ایک سادہ معاشرے میں جو مسائل پیش آجاتے تھے تو بارگاہِ رسالت سے ان کی شرعی راہنمائی بآسانی مل جایا کرتی تھی، باقاعدہ تدوین فقہ ہوئی تھی نہ اس کی ضرورت تھی، عمومی طور پر ایمان وعمل کی پختگی اور اشاعت اسلام وجہاد فی سبیل اللہ پر توجہات مرکوز تھیں۔

اس دور میں اسلامی کے دو ہی مآخذ تھے: (۱) قرآن کریم۔ (۲) تشریحات وتعلیمات نبویہ۔

قرآن کریم میں اصول وکلیات کا بیان ہوتا تھا تو تعلیمات نبویہ میں ان کی تشریح وتوضیح اور جزئیات کی تفصیل ہو جاتی تھی، اور کتاب وحکمت کی تعلیم کو قرآن نے مقاصدِ نبوت میں شمار کیا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فریضے کی انجام دہی فرماتے ہوئے اپنے جانثار صحابہؓ کی فقہی تربیت بھی فرمارہے تھے، چنانچہ مؤرخین وسیرت نگاروں کے بیان کے مطابق عہد نبوت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ہی کئی صحابہ کرامؓ منصب افتاء پر فائز ہو چکے تھے، جن میں حضرات خلفاء اربعہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ (الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی: ۱/ ۲۳۳، ۲۳۴)

چنانچہ دور نبوت میں سید المفتین تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگ آکر مسائل میں راہنمائی لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی ربانی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمایا کرتے تھے، علامہ ابن قیمؒ نے اس نوع کے کافی سوالات وجوابات اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''اعلام الموقعین'' میں یکجا جمع کر دیئے ہیں، جو ''فتاویٰ امام المفتین'' کے نام سے مستقل ایک جلد میں الگ سے ہی طبع ہو چکی ہیں، اس نوع کے سوال وجواب کی طرف قرآن کریم میں بھی کئی مقامات پر اشارات ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر موجودگی میں یا مشغولیت کی صورت میں مندرجہ بالا حضرات سائلین کی تشفی فرماتے تھے، یوں دِھیرے دھیرے فقہ وافتاء کا کارواں رواں دواں رہا۔

جیسا کہ گزرا، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے صحابہؓ نے بھی فتوی دیا ہے، ان میں بعض صحابہؓ تو وہ تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جگہ دینی وانتظامی امور کا ذمہ دار بنا کر بھیجا، جیسے حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ وغیرہ، ظاہر ہے کہ جن مسائل کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے، وہاں یہ حضرات اپنے اجتہاد اور رائے ہی سے فتوی دیا کرتے تھے، لیکن اس کے علاوہ بعض دیگر صحابہؓ بھی عہد نبوت میں فتوی دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت ہی پر مبنی رہا ہوگا اور یقیناً اس سے ان کی تربیت بھی مقصود ہوگی، چنانچہ قاسم بن محمد بن اُبی بکرؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۳۳۵) سہل بن ابی اُبی ہثمہؒ راوی ہیں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تین مہاجر صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور تین انصاری صحابہ حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فتوی دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: /۸۶)

اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں فتوی دیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۸۶)

غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہؓ فتاویٰ دیتے تھے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے، خواہ قاضی ہو یا نہ ہو، اسی کو علامہ آمدی اور ملا محب اللہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔ (الإحکام في أصول الأحکام للآمدي: ۴/۲۳۵، فواتح الرحموت مع مسلم

الثبوت:۲/۳۷۵)

دوسرا و تیسرا دور:

عہد صحابہؓ و تابعین میں فقہ و افتاء:

علامہ خُضَرِیؒ نے عہد صحابہؓ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، کبار صحابہؓ کے دور کو دوسرا حصہ قرار دیا ہے، جو وصال رسالت مآب ﷺ (۱۱/ہجری) سے سنہ ۴۰/ہجری پر مشتمل ہے، اس مرحلے میں اولاً عہد صدیقی میں یمامہ کی جنگ کے دوران حفاظ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد کی شہادت نے حفاظتِ قرآن کی طرف توجہات مبذول کرائیں اور حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہؓ سے مشاورت کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ کو جمع قرآن پر مامور فرمایا۔ (صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

چنانچہ ''جامع القرآن'' درحقیقت صدیق اکبرؓ ہیں، حضرت عثمانؓ کے دور میں لغت قریش میں کتابت پر اتفاق ہوا اور ''مصحف عثمانی'' ہی آج بھی پڑھا پڑھایا جاتا ہے، لیکن احادیث قولیہ کے جمع کرنے کا اب تک الگ اہتمام نہ ہوا تھا، البتہ متفرق طور پر مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس لکھے ہوئے حدیثی ذخیرے ضرور موجود تھے، جن کے مذاکرے اور سماع وقراءت کا سلسلہ بھی جاری تھا، نیز فقہ کی تدوین کا سلسلہ بھی تاحال شروع نہیں ہوا تھا، البتہ پیش آمدہ مسائل میں افتاء اور اجتہاد کا عمل ضرور قائم تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ بالترتیب کتاب وسنت میں غور وتدبر کے بعد جو مسائل نہ ملتے تو اجتہاد سے کام لیتے تھے، یہی طرز عمل حضرت عمرؓ کا بھی تھا، مزید براں نصوص میں حکم نہ ملنے کی صورت میں کبار صحابہؓ خصوصاً فقہائے صحابہؓ سے مشاورت کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔

سابق میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں مفتیان کرام کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی؛ لیکن مکثرین محض سات تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات کے فتاویٰ وآثار مصنف عبدالرزاق ومصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں بکھرے پڑے ہیں، حافظ ابن حزمؒ کا بیان ہے کہ اگر ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، معروف عرب عالم شیخ محمد رواس قلعہ جی نے اس نوع کے موسوعات کے کئی مجموعے مرتب کیے ہیں، جو علمی حلقوں میں متداول ہیں، ان کے علاوہ متوسطین صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد تھی، جن میں حضرت ابوبکر، ام سلمہ، انس بن مالک، عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، ان کے فتاویٰ بھی رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں، باقی صحابہؓ بہت کم فتوے دیا کرتے تھے۔ (اعلام الموقعین: ۱/۱۰، ۱۱، تاریخ التشریع الاسلامی، اصول الافتاء: ۱/۲۲، ۲۳)

صحابہؓ کے عہد میں فتویٰ کم صادر ہونے کی وجوہات:

یہ بات ظاہر ہے کہ گو صحابہؓ سب کے سب عدل اور ورع وتقوی کے اعلی معیار پر ہیں، لیکن وہ سب مقامِ افتاء پر فائز نہیں تھے؛ بلکہ ایک محدود تعداد تھی جو فتاوی دیا کرتی تھی، اس میں ایک تو ان کی احتیاط کو دخل ہے، دوسرے صلاحیت اور استعداد میں تفاوت کو، تیسرے تقسیم کار کو، دین اور امت سے متعلق مختلف ذمہ داریاں صحابہ کرامؓ انجام دیتے تھے، تعلیم وتعلم، دعوت وجہاد، انتظام وانصرام اور تربیت وتزکیہ وغیرہ، اسی نسبت سے ایک محدود تعداد علم وتحقیق، اجتہاد واستنباط اور قضاء وافتاء کے کام میں مشغول ہوئی، ان حضرات کو اس زمانہ میں قراء کہا جاتا تھا۔ (دیکھئے: مقدمہ ابن خلدون: ص: ۳۵۳، طب: دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن قیمؒ نے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی تحقیق ہے کہ مجموعی طور پر ۱۳۰/سے کچھ زیادہ صحابہؓ اور صحابیات رضی اللہ تعالی

عنہن نے فتاوی دیئے ہیں، پھرانہوں نے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا ہے،مکثرین،متوسطین اور مقلین،مکثرین سے مراد وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے کثرت سے فتاوی دیئے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے بشمول بیس صحابہ ؓ کوفتاوی کے اعتبار سے متوسطین میں شمار کیا ہے،جن میں حضرت ابوبکرؓ ،حضرت عثمان غنی ؓ ،حضرت انسؓ ،حضرت ابوسعید خدریؓ ،حضرت ابوموسی اشعریؓ ،حضرت معاذ بن جبلؓ ،اورام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا شامل ہیں،مقلین یعنی کم فتوی دینے والے سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے دو چار مسائل منقول ہیں، بقول ابن قیم ان تمام حضرات کے فتاوی کوجمع کیا جائے تو ایک مختصر جزء میں آجائے،ابن قیم نے اس سلسلہ میں ایک سوپچیس صحابہؓ اورصحابیات رضی اللہ عنہن ،نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن، حضرت حسینؓ اور اکثر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہن شامل ہیں۔(اعلام الموقعین: ۱/ ۱۴-۱۳)

اللہ تعالی جزائے خیر دے ڈاکٹر رواس قلعی کو کہ انہوں نے موسوعۂ فقہ کے نام سے صحابہؓ کے فتاوی کوجمع کرنے کا بہت ہی مبارک اور مسعود کام شروع کیا ہے اوراب تک حضرت عمرؓ ،حضرت علیؓ ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد صحابہؓ کے فتاوی ان کے ذریعہ جمع ہوگئے ہیں،اسی طرح شیخ ابوعبداللہ سید بن کسروی بن حسن کی ’’موسوعة آثار الصحابة رضی اللہ عنہم‘‘ بھی ایک بڑا کارنامہ ہے،جس میں تمام صحابہؓ کے فتاوی کا احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے، یہ بڑی محمود اور قابل تعریف کاوشیں ہیں،جن کے ذریعہ موجودہ عہد کے اہل علم کوصحابۂ کرامؓ کے فتاوی اوراجتہادات سے استفادہ کا موقع ملے گا،اورسلف سے علمی رابطہ زیادہ بہتر طور پر استوار ہوسکے گا،خاص کر فقہ حنفی اور فقہ مالکی-جس میں صحابہؓ کے فتاوی کوخصوصی اہمیت حاصل ہے-کے لیے صحابہؓ کے فتاوی اور آثار کی ترتیب خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔(کتاب الفتاوی:۱/ ۲۲۹-۲۳۱)

تیسرادور:

علامہ خضری بکؒ نے صغار صحابہؓ وتابعینؒ کے دور کوتیسرا مرحلہ قرار دیا ہے، یہ دور حضرت معاویہؓ کی حکومت (۴۱/ ہجری) سے قرن ثانی کی ابتدا تک کے زمانے پرمحیط ہے،اس دور میں فتنے بڑھ گئے تھے،اس لیے روایت حدیث میں احتیاط کے کئی مزید اصول طے ہوگئے تھے اور تدوین حدیث کا بھی آغاز ہو چلا تھا، نیز امام ابوحنیفہؒ جیسے فقیہ بھی اسی دور کا حصہ ہیں،جنہوں نے فقہ اسلامی کی تدوین میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، ہرشہر میں مفتیان کرام کی ایک جماعت بھی افتاء کا میدان گرم کیے ہوئے تھی،جن کی فہرست علامہ ابن قیمؒ اور دیگر اہل علم نے ذکر کی ہے،ہم اختصار کے پیش نظر یہاں حوالہ ہی کافی سمجھتے ہیں۔(اعلام الموقعین:۱/ ۱۹،۲۰،لبنان)

چوتھادور:

علامہ خضریؒ کی تقسیم کے مطابق یہ فقہ اسلامی کی تاریخ کا چوتھا مرحلہ ہے جو دوسری صدی کے آغاز سے چوتھی صدی کے نصف تک طویل زمانے پرمحیط ہے، یہی وہ دور ہے جس میں تدوین حدیث اورتدوین فقہ جیسے معرکہ آراء کارنامے انجام پائے اور ائمہ فقہاء ومحدثین کے نفوس قدسیہ کاظہور ہوا۔

جہاں تک تدوین حدیث کاتعلق ہے تو یہ ایک طویل الذیل موضوع ہے جوسرِ دست ہمارے اس مفوضہ مقالے کے موضوع سے خارج ہے،البتہ تدوین فقہ کے میدان میں امام ابوحنیفہؒ اوران کے شاگردوں ،امام مالک،امام شافعی،امام احمد،امام اوزاعی،امام لیث بن سعد اورامام

عبدالرحمن بن ابی لیلی (رحمہم اللہ تعالی) کی خدمات سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے اہل علم وفقہاء کی ایک شوریٰ ترتیب دی تھی جس میں مسائل پر غور وخوض ہوتا، دلائل کا مناقشہ ومباحثہ ہوتا، متفقہ مسائل لکھے جاتے اور اختلافی امور بھی سپرد قلم کیے جاتے، ان مجالس میں جہاں پیش آمدہ مسائل پر بحث ہوتی وہیں مستقبل میں پیش آنے والے حوادث بھی زیر بحث آتے، یوں ''فقہ تقدیری'' کا ایک ذخیرہ وجود میں آیا جو فقہ حنفی کا ایک امتیاز ہے، نیز افتاء کا نظام بھی مستحکم ہوا، فقہاء کے مناہج طے ہوئے، اصول استنباط واستخراج متعین ہوئے، جن کی بنیاد پر مختلف فقہی مذاہب وجود میں آئے، اور تکوینی طور پر ان میں سے چار مشہور مسالک کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی، چنانچہ اس زمانہ سے خلق خدا کی اکثریت انہیں سے وابستہ ہوتی چلی آرہی ہے، اور دوسرے مکاتب فکر دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک معدوم ہوکر رہ گئے۔

واضح بات ہے کہ ہر امام کے مقلدین اپنے مسلک کے موافق فتوی حاصل کرنے کے لیے اپنے کبار فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے، یہی فتاوی ترتیب دیئے گئے تو ان سے کتب فتاوی کی بنیاد پڑی، جو معتبر متون وشروح کے بعد ہر فقہی مذہب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دور سابقہ فقہاء کی خوشہ چینی اور فقہ اسلامی کی تدوین کا زمانہ تھا۔

پانچواں دور:

یہ مرحلہ چوتھی صدی کے وسط سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک پر مشتمل ہے، یہ دور فقہی مذاہب میں توسع اور تقلید کے شیوع کا دور ہے، مرورِ زمانہ سے ہمتیں پست ہوئیں اور کم علمی وجہالت پر قناعت کا بازار گرم ہوا، اس دور میں مختلف فقہی مسالک کے مقلدین میں مناظرہ بازی کا ایک مذاق بھی پیدا ہوا جس کے مثبت ومنفی اثرات پڑے، البتہ فقہی ذخیرہ میں بھی قابل قدر اضافہ ہوا، چنانچہ اسی دور میں تفریعات وتخریجات پر مشتمل کتب کا ایک کتب خانہ تیار ہوگیا، حنفیہ میں فقیہ ابواللیث سمرقندی، امام قدوری، ابوزید دبوسی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، بزدوی، کاسانی، مرغینانی، صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالی، دیگر فقہی مذاہب کے ابن عبدالبر، ابن رشد، ابوولید باجی، قاضی عیاض، امام الحرمین عبدالملک الجوینی، امام غزالی اور امام نووی رحمہم اللہ جیسے نامور اہل علم وفقہاء اسی دور کی یادگار ہیں، بہرکیف اس زمانے میں بھی فقہ وافتاء کا سلسلہ یوں ہی جاری وساری رہا، مجموعی اعتبار سے یہ فقہ کی ترتیب وتہذیب اور اختیار وترجیح کا دور ہے۔

چھٹا دور:

یہ مرحلہ سقوط بغداد سے دور حاضر پر مشتمل ہے، اس زمانے میں مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل اہل علم کمیاب ہوگئے، علامہ سیوطی وغیرہ جن اہل علم نے اجتہاد مطلق کا دعوی کیا بھی تو دیگر علماء نے اس کو تسلیم نہیں کیا، شروح وحواشی اور اختصار کا رجحان اس دور میں زیادہ رہا ہے، نیز آخری زمانے میں تسہیل کا ایک اور رجحان ابھرا ہے، اس زمانے میں ابن عبدالسلام، ابن حاجب، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن ہمام، سبکی اور سیوطیؒ جیسے جہابذہ اہل علم گزرے ہیں، اور آخری دور میں علامہ کوثریؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسی عبقری ہستیاں بھی رہی ہیں، خلافت عثمانیہ بھی اس طویل دور کا حصہ ہے، جس میں افتاء کا نہایت مستحکم نظام رہا ہے، شیخ الاسلام کا منصب اس کا امتیازی کارنامہ ہے، جو چیف جسٹس بھی ہوا کرتا تھا، اس دور میں افتاء کا نظام کافی مرتب ومنظم شکل میں سامنے آیا، چنانچہ اہل علم نے آداب استفتاء وافتاء پر باقاعدہ کتابیں لکھیں اور ہر خطے میں دارالافتاؤں کا ایک سلسلہ قائم ہوا۔

فقہ حنفی میں فتاوی کا طریقۂ کار:

علم فتاوی کا شمار فقہ کے فروع میں ہوتا ہے، طاش کبری زادہ (م: ۹۶۸ھ) نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس میں

جزئی واقعات کے بارے میں فقہاء سے صادر ہونے والے فروعی احکام بیان کئے جاتے ہیں، اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ بعد میں آنے والے قوتِ استنباط سے محروم لوگ سہولت کے ساتھ ان سے استفادہ کر سکیں، عبدالنبی احمد نگری لکھتے ہیں: فتاوی سے عموماً شریعت اسلامی کے وہ فروعی مسائل مراد ہوتے ہیں جن کے بارے میں کسی فقہی مکتب فکر کے بانی یا اس کے ساتھیوں سے کچھ منقول نہیں ہوتا اور متاخرین علماء اپنے اجتہاد واستنباط کے ذریعہ ان کا حل پیش کرتے ہیں۔

اس میدان میں بے شمار کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں، جن میں اکثر حنفی علماء کی تالیف کردہ ہیں، ان کے علاوہ شافعی، مالکی اور حنبلی مکتبِ فکر کے علماء نے بھی اپنے اپنے مسلک کے مطابق فتاوی کے مجموعے تیار کیے، ان سب کا تفصیلی جائزہ لینا یہاں دشوار ہے، ان کی اگر ایک فہرست ہی تیار کر دی جائے تب بھی طوالت کی موجوب ہوگی، ان کتابوں میں بہت سی تو اب مفقود ہیں، بعض کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں، کچھ مطبوعہ ہیں مگر صرف ایک بار طبع ہوئیں، بہت کم ہی ایسی کتابیں ہیں جنہیں قبول عام اور استناد کا درجہ حاصل ہوا ہے، اس لئے صرف اہم کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ علمائے احناف نے فقہی مسائل کے نقل و روایت میں استناد کے اعتبار سے فتاوی کی کتابوں کو تیسرے درجے میں رکھا ہے، پہلے اور دوسرے درجے میں کتب ظاہر الروایۃ اور مسائل النوادر والأمالی ہیں، دوسری بات یہ کہ حنفی مسلک کے یہ فتاوی انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے جمع ہوتے رہے، یعنی بعض اوقات کسی فقیہ یا مفتی کے تمام فتاوی کو یکجا کر دیا جاتا تھا جو اس نے مختلف مسائل کے جواب میں وقتاً فوقتاً صادر کیے، بعد میں اسی کے نام سے یہ مجموعہ منسوب و مشہور ہوتا، خواہ اس کا جامع و مرتب کوئی دوسرا ہو، فتاوی کا معتد بہ ذخیرہ اسی زمرے میں آتا ہے، فتاوی جمع کرنے کا اجتماعی طریقہ یہ تھا کہ علماء کی ایک مجلس منتخب کی جاتی اور مختلف ماخذ کے سہارے جزئی واقعات کے مطابق فتاوی مرتب کئے جاتے، ''فتاوی عالمگیری'' یا (الفتاوی الھندیہ) کی تدوین اسی طرز پر ہوئی ہے۔

فتاوی کی بہت سی کتابیں، ''نوازل''، ''اجوبة''، ''مسائل، سؤالات أسئلة'' اور ''واقعات'' سے بھی موسوم ہیں، ''نوازل'' سے کسی واقعہ یا حادثہ کے پیش آنے کا پتہ چلتا ہے، برخلاف ''فتاوی'' کے؛ جس کے تحت ہر باب اور شعبہ کے مسائل شامل ہیں۔

فتاوی کی بعض کتابیں مختلف فنون کے مسائل پر مشتمل ہیں، اور بعض مجموعے ایسے بھی ہیں جن میں فتاوی کے ساتھ وہ رسائل بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو مؤلف نے کسی سوال کے جواب میں نہیں لکھے، بلکہ ان کی حیثیت مستقل تالیف جیسی ہے، کتب فتاوی کا جائزہ لیتے وقت ان تمام امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، ورنہ اس نام کی مختلف کتابوں کے درمیان موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے تمیز کرنا دشوار ہوگا۔

حنفی مسلک کے فتاوی کی الگ الگ خصوصیات ہے؛ کچھ کتابوں میں صرف فقہی جزئیات ہے جیسے فتاوی عالمگیری، خلاصۃ الفتاوی، کچھ کتابوں میں سمعی و عقلی دلائل بھی ہے، جیسے فتح القدیر، بدائع الصنائع، اس باب میں اعلاء السنن کی خدمات بھی بڑی اہم ہے، حکم شرعی کے دو مآخذ تو سب کو معلوم ہیں، یعنی قرآن مجید اور سنت، جو اصلی اور بنیادی مآخذ ہیں، لیکن قرآن پاک نے ان کے علاوہ بھی کچھ ذیلی مآخذ کا ذکر کیا ہے، قرآن پاک نے جگہ جگہ عقل کا ذکر کیا ہے کہ اپنی عقل سے کام لو، سوچو، تفکر اور تدبر سے کام لو، گویا عقل کو قرآن پاک نے تسلیم کیا ہے؛ لہذا حکم شرعی کا عقل بھی ایک ماخذ ہے، لیکن عقل کیسے ماخذ ہے؟ اس کی حدود کیا ہیں؟ اس سے کام لینے کے کیا ضوابط ہیں؟ ان سب سوالات کا جواب دینے کی ضرورت ہے جو علمائے اصول نے تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔

عصر حاضر میں کار افتاء:

موجودہ دور میں جو لوگ منصب افتاء پر فائز ہیں وہ اپنی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے تین طرح کے کام انجام دے رہے ہیں:

(۱) تخریج : یعنی جن مسائل کے بارے میں فقہاء کی رائے منقول نہیں ہے، اور وہ اِس دور کے پیدا ہونے والے مسائل ہیں، فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول وقواعد کی روشنی میں ان کے بارے میں رائے قائم کرنا، کیوں کہ ہر عہد میں نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، جن کا شرعی حکم متعین کرنا علماء کی ذمہ داری ہے، اور یہ شریعت اسلامی کے ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔

(۲) ترجیح : یوں تو بعد کے فقہاء نے متقدمین کی اختلافی آراء کے بارے میں ترجیحات متعین کردی ہیں، لیکن ترجیح کی ایک اساس کسی رائے کا اپنے عہد کے عرف اور اس زمانہ کے مصالح کی بنیاد علماء نے نصوص پر نہیں رکھی ہو، بلکہ وہ مصالح پر مبنی ہوں، ان کے بارے میں اپنے عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں، اس کے لئے بعض اوقات شرائط کے مطابق حدود میں رہتے ہوئے ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول بھی کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ حقیقت میں عدول نہیں ہے، عدول وہ اختلاف ہے جو دلیل وبرہان پر مبنی ہو، کسی خاص رائے کو تقاضۂ عصر وزمان کے تحت اختیار کیا جائے تو یہ حقیقت میں عدول نہیں، اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے مختلف مقامات پر اس سلسلہ میں اشارہ کیا ہے۔

(۳) نقل فتوی : تیسرا کام یہ ہے کہ جس فقہ کا مقلد ہو، اس فقہ کے مطابق جوابات نقل کردیئے جائیں۔

موجودہ دور میں ارباب افتاء یہ تینوں طرح کے کام کررہے ہیں، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں ذمہ داریاں انفرادی طور پر انجام دینے کے بجائے اجتماعی طور پر انجام دی جائیں، چنانچہ اسی لئے آج کل فقہی مجامع (فقہ اکیڈمیاں) کی تشکیل عمل میں آئی ہے اور یہ عالم اسلام میں بھی اور خود ہندوستان میں بھی بڑی مفید خدمات انجام دے رہی ہیں۔ (کتاب الفتاوی: ۱/ ۲۳۵، ۲۳۶)

کتب فتاوی کا درجہ، طبقاتِ مسائل کا لحاظ:

حنفیہ کے مذہب میں مسائل کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہی وجہ ترجیح بھی ہے، یعنی پہلے درجہ میں ''ظاہر الروایہ'' دوسرے میں ''نادر الروایہ''، پھر اس کے بعد فتاویٰ اور واقعات کا لحاظ کیا جائے گا اور تعارض کی شکل میں طبقۂ اعلی کو ترجیح ہوگی، الا یہ کہ مشائخ نے کسی اور روایت پر فتوی دینے کی صراحت کی ہو۔

طبقاتِ مسائل:

مسائل حنفیہ کے کل تین طبقات ہیں:

(۱) **ظاہر الروایہ یا روایۃ الاصول:** اس کا اطلاق ان مسائل پر ہوتا ہے جو حضرت امام محمدؒ کی کتب ستہ (مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر) میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور دیگر اصحابِ مذہب سے نقل کئے گئے ہیں، یہ درجۂ مسائل سب سے اعلی اور اقویٰ ہے اور اس کی سند مذہب میں مشہور ومعروف ہے۔

(۲) **غیر ظاہر الروایہ یا روایۃ النوادر:** اصحابِ مذہب کی وہ روایتیں جو امام محمدؒ کی کتب ستہ مذکورہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں مذکور ہیں، وہ نوادر یا غیر ظاہر الروایہ کہلاتی ہیں، کیوں کہ مذہب میں ان کی سند ظاہر الروایہ کی طرح مشہور ومعروف نہیں ہے، اس طبقہ کی روایتوں کا درجہ ظاہر الروایہ سے کمتر ہوتا ہے، بریں بنا اگر ان کا تعارض ظاہر الروایہ سے ہوجائے تو ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوگی، الا یہ کہ مشائخ

ظاہرالروایہ کوترک کرنے کا فیصلہ کرلیں۔

کتب غیر ظاہر الروایہ میں امام محمدؒ کی تصنیفات مثلاً کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، اور امام ابو یوسفؒ کے امالی (یہ املا کی جمع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ استاذ شاگردوں کے سامنے زبانی درس دے اور شاگرد اسے کاپی میں نوٹ کرلیں۔) اسی طرح وہ مفرد روایتیں شامل ہیں جو دیگر اصحابِ مذہب مثلاً حسن بن زیادؒ (المتوفی: ۲۰۴ھ)، محمد بن سماعہؒ (المتوفی: ۲۳۳ھ)، معلی بن منصورؒ (المتوفی: ۲۱۱ھ) وغیرہ سے مروی ہیں۔

(۳) الفتاوی و الواقعات: وہ مسائل جن کے متعلق ظاہر الروایہ اور نادر الروایہ میں متقدمین اہل مذہب سے کوئی حکم شرعی منقول نہ ہو اور بعد کے مشائخ ومفتیان نے مجتہدین کے اصول کی روشنی میں ان کا استنباط واستخراج کیا ہو، ایسے مسائل کو اصطلاح میں ''فتاویٰ وواقعات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان مشائخ میں حضراتِ صاحبینؒ کے بلاواسطہ شاگرد مثلاً عصام بن یوسف ابو عصمہؒ (المتوفی: ۲۱۵ھ) محمد بن سماعہؒ (المتوفی: ۲۳۳ھ) ابراہیم بن رستم المروزیؒ (المتوفی: ۲۱۱ھ) موسیٰ بن سلیمان ابوسلیمان الجوزجانیؒ (المتوفی: ۲۰۰ھ) ابوحفص البخاریؒ (المتوفی: ۲۱۷ھ) اسی طرح اہل مذہب کے شاگردوں کے شاگرد مثلاً محمد بن سلمہ البلخیؒ (المتوفی: ۲۷۸ھ) محمد بن مقاتل الرازیؒ (المتوفی: ۲۶۸ھ) نصیر بن یحییٰ البلخیؒ (المتوفی: ۲۶۸ھ) ابوالنصر محمد بن سلامؒ (المتوفی: ۳۰۵ھ) وغیرہ حضرات شامل ہیں، یہ حضرات کبھی کبھی عرف وضرورت کو دیکھتے ہوئے مذہب کی صریح روایت ک خلاف بھی فتویٰ دے دیتے ہیں۔ (فتویٰ نویسی کے رہنما اصول: ۱۵۸)

حنفی فتاویٰ کی تدوین:

تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ حنفیہ میں سب سے پہلی کتاب فقیہ ابو اللیث (المتوفی: ۲۹۴ھ) نے کتاب النوازل کے نام سے تصنیف کی، آپ کے بعد دیگر مشائخ نے بھی اسی انداز کے مجموعے مرتب کئے جیسے مجموع النوازل للشیخ احمد بن موسی الکشیؒ (المتوفی: ۵۵۰ھ) اور الواقعات للامام ابولعباس احمد بن محمد بن عمر الناطفیؒ (المتوفی: ۴۴۶ھ) اور الواقعات للصدر الشہید ابی محمد حسام الدینؒ (المتوفی: ۴۹۲ھ) اور الخلاصہ للشیخ طاہر بن احمد البخاریؒ (المتوفی: ۵۴۲ھ) وغیرہ میں طبقات مسائل کی ترتیب کا لحاظ کئے بغیر کیف ماتفق مسائل لکھ دیئے گئے ہیں، جب کے علامہ محمد بن محمد رضی الدین السرخسیؒ (المتوفی: ۵۴۴ھ) نے اپنی کتاب ''المحیط'' میں ترتیب وار الگ الگ مسائل لکھے ہیں، یعنی اولاً ظاہر الروایہ پھر نوادر اور اس کے بعد فتاویٰ، یقیناً یہ ایک قابل قدر اور لائق تعریف کارنامہ ہے۔

فتاویٰ کی تدوین کا کام ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے، آج بھی جاری ہے، مگر صرف عموماً مفتیٰ بہ اقوال کا التزام کیا جاتا ہے، طبقات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، لیکن مفتی کے لئے یہ اصول اپنی جگہ مسلم ہے کہ تعارض کے وقت اسے اعلی درجہ کی ہی روایت لینی چاہئے، بشرطیکہ عام مشائخ نے درجہ اعلی کو چھوڑنے کی صراحت نہ کی ہو۔

ذخیرۂ فتاوی کے فوائد:

چند امور میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان سے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی، تمدنی اور فکری حالات کی عکاسی ہوتی ہے، ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو کب کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اور ان کے بارے میں علماء کا کیا موقف رہا، ہر زمانے اور علاقے کے رسم ورواج اور مروجہ بدعات کی تصویر بھی ان کتابوں سے سامنے آتی ہے، علماء کے فتاوی کا ردعمل عوام پر کیا ہوتا تھا؟ سلاطین و امراء اور طلبہ وعوام سے ان کے تعلقات کیسے تھے؟ ہر زمانے میں کن علماء کو فتوی نویسی کے

میدان میں شہرت ملی؟ ان کے علم وفہم اور فقہ وبصیرت کا کیا حال تھا؟ یہ اور ان جیسے بیسیوں امور ہیں جن کے لئے کتب فتاوی کا مطالعہ ناگزیر ہے، ہمیں تاریخ وتذکرے کی قدیم کتابوں کے ساتھ کتب فتاوی کو نہ بھولنا چاہئے، بعض اہل علم اب اس جانب متوجہ ہوئے ہیں، اور فتاوی کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے لگے ہیں۔

فقہ حنفی کی بعض کتب فتاوی:

حنفی علماء کی کتب فتاوی میں سب سے زیادہ شہرت کی حامل ''فتاوی قاضی خان'' (م: ۵۹۲ھ) ہے، یہ آج تک احناف کے یہاں مقبول اور متداول ہے، مفتیوں اور قاضیوں کا عموماً -قرآن وحدیث کے بعد- اسی پر اعتماد رہتا ہے، مصنف نے اس کتاب میں ایسے مسائل مع حوالہ جمع کئے ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں، اور جن کی ضرورت برابر ہی پڑتی رہتی ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں متاخرین کے متعدد اقوال میں سے صرف ایک یا دو قول ذکر کئے ہیں، اور مشہور اور راجح قول کو مقدم رکھا ہے، تاکہ فتوی دیتے وقت علماء کو دشواری نہ ہو، علامہ قاسم بن قطلو بغا کہتے ہیں کہ قاضی خان جس بات کی تصحیح کردیں اسے دوسروں کی تصحیح پر مقدم سمجھا جائے گا۔ (الفوائد البہیہ: ۶۵)

''فتاوی عالمگیری'' اور ''فتاوی تاتارخانیہ'' ہندوستانی علماء کی تالیفات میں سے ہے، ان کی بھی بڑی اہمیت ہے، دونوں میں جزئیات بڑی مقدار میں ہے، اس لئے مسئلہ کا حل آسان ہوجاتا ہے اور جزئیات بھی ابواب وفصول میں مرتب کئے ہیں، اس سے مسائل کے حل اور جزئیات کی تلاش میں مزید آسانی ہوگئی ہے، ان کے علاوہ مطبوعہ کتابوں میں ''نوازل أبي الليث السمرقندي'' (م: ۳۹۳ھ) سب سے قدیم ہے، مصنفؒ نے اس میں پچھلے فقہاء کے وہ اقوال جمع کئے ہیں جو نوازل سے متعلق ہیں، اب یہ کتاب سید یوسف احمد کی تحقیق کے ساتھ چھپ گئی ہے، اور سہارنپور، یو۔پی۔ میں مکتبہ دار الایمان میں دستیاب ہے۔

تاریخی اعتبار سے اس کے بعد ابوالحسن سغدی (م ۴۶۱ھ) کی ''النتف فی الفتاوی'' کا نمبر آتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مسائل میں احناف کے علاوہ دیگر ائمہ وعلماء کے اقوال بھی مصنفؒ نے ذکر کئے ہیں، گویا یہ فقہ مقارن ہے، اس طرح یہ قاضیوں اور مفتیوں کے لے بہترین مرجع بن گئی ہے، اس میں بہت سے فقہی قواعد کا بھی ذکر ملتا ہے، جنہیں کتاب کے مرتب نے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب بغداد سے ۱۹۷۵ھ میں شائع ہوئی ہے، یہ فقہ حنفی میں تالیف کی گئی کتابوں کا مختصر جائزہ ہے۔

فتاوی حمادیہ

فتاوی حمادیہ عربی زبان میں ایک فقہی مخطوطہ ہے جو فقہ احناف کے مسائل پر مشتمل ہے۔

مخطوطے کے ابتدا میں اس کے مندرجات ومضامین کی فہرست دی گئی ہے، جو یہ ہے:

كتاب الطهارة، كتاب الصلوة، كتاب الزكوة، كتاب الصوم، كتاب الحج، كتاب النكاح، كتاب الطلاق، كتاب العتاق، كتاب الايمان، كتاب الحدود والسرقة، كتاب السير، كتاب اللقيط واللقطة، كتاب الاباق، كتاب المفقود، كتاب الشركة، كتاب الوقف، كتاب البيوع، كتاب الكفالة، كتاب الحوالة، كتاب الدعوى، كتاب الاقرار، كتاب الصلح، كتاب المضاربة، كتاب الوديعة، كتاب العارية، كتاب الهبة، كتاب الاجارة، كتاب الاكراه، كتاب الحجر،

كتاب الغصب ، كتاب الشفعة ، كتاب القسمة، كتاب المزارعة ، كتاب الصيد والذبائح، كتاب الاضحية ، كتاب الاستحسان ، كتاب احياء الموات والسرب ، كتاب الرهن ، كتاب الجنايات ، كتاب الوصايا ، كتاب الفرائض .

مقدمۂ کتاب:

مخطوطہ کے آغاز میں مصنف کی طرف سے ایک طویل مقدمہ ہے، جس میں اس کی وجہ تالیف بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی تالیف میں کن کن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور یہ مخطوطہ کس کی طرف منسوب ہے۔

مصنفؒ مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

اما بعد! بندہ امید وار رحمت پروردگار ابوالفتح رکن بن حسام مفتی ناگوری (اللہ اس کی حالت درست فرمائے اور اسے اپنے کرم و برہان کی نعمت سے سرفراز کرے) کہتا ہے کہ جب میں شہر نہروالا میں آیا (اللہ اس شہر کو تمام مصائب وآلام سے محفوظ رکھے) تو وہاں کے ارکان دولت، اعیان حکومت اور دیگر لوگوں میں ایک شخص کو سب سے بڑھ کر عالم، فاضل، مجتہد اور حق و باطل کے درمیان حد فاصل پایا۔ وہ شخص لوگوں کے عادات واطوار سے آگاہ ہے اور شریعت کو اساس اور بنیاد ٹھہرا کر فیصلے کرتا ہے۔ وہ چونکہ انتہائی سمجھ دار اور بدرجہ غایت معاملہ فہم ہے، اس لیے کوئی شخص اس کے سامنے خلاف واقع بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور وہ ذہنی پاکیزگی، معرفت وشعور، تجربہ اور مہارت کے اعتبار سے اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کے حضور نہ کوئی جھوٹی شہادت دے سکتا ہے اور نہ غلط بیانی کر سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ۳۵ سال سے تنفیذ احکام اور محکمۂ قضا پر متمکن ہے اور اس نے دعاوی اور مقدمات کے وہ فیصلے کیے ہیں جو جمہور فقہا کے اقوال اور ان کے فتاوی سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔

''معلوم ہے وہ کون شخص ہے۔ وہ اعظم و معظم، اکرم ومکرم، صدر صدور العالم، اہل اسلام میں سے افضل ترین، اشرف بنی آدم، قاضی القضاۃ حماد جمال الدین احمد ہے۔ ان کے والد امام، عالم، فاضل، استاد الثقلین، بحر المعانی، نعمان الثانی، جامع الفروع والاصول، ناقل المعقول والمنقول اور قاضی القضاۃ، مرحوم ومغفور اکرم ہیں، اللہ انہیں نعمائے جنت سے سرفراز کرے اور زمانے کی آفات وآلام سے مامون وماصون رکھے۔

''انہوں (قاضی حماد بن اکرم) نے میرے اور میرے لڑکے کے- جو ایک عالم شخص ہیں اور جن کا نام مولانا داؤد ہے، (اللہ انہیں دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائے) - یہ خدمت سپرد کی کہ ہم مختلف فتوے جمع کریں اور ایسی صحیح اور بہترین روایات اکٹھی کریں جن کی بنیاد پر فقہاء نے فتوے جاری کیے ہوں اور جو قضا کے باب میں قابل اعتماد ہوں۔

"چنانچہ میں نے اور میرے اس بیٹے نے، ایسی روایات کی تلاش شروع کی جو معتمد علیہ ہوں اور عقل و درایت کی میزان پر پوری اترتی ہوں۔ وہ (قاضی حماد بن اکرم) اللہ کے فضل وکرم سے اس ضمن میں اس چیز کو پسند کرتے اور محبوب گردانتے تھے، جس پر جمہور فقہاء کا اجماع ہو، انہوں نے (اس کتاب کی تکمیل کے لیے) ہمارے پاس بہت سا مواد (علمی) جمع کر دیا، جن میں الواقعات بھی شامل ہے، لیکن یہ سب مواد (فقہ) کی مختلف ومتفرق روایات واقوال پر مشتمل ہے۔ ہم نے اس پورے سلسلے کو یک جا کیا؛ تاکہ اس پر اعتماد اور رسائی کا معاملہ سہل ہو جائے اور اس انداز سے مرتب کیا کہ علم واطلاع میں آسانی ہو۔ ہم نے ہر بات کو اس کے اصل مقام اور ہر فصل کو اس کی اصلی حالت پر رکھا۔ بعض ابواب میں ہم نے روایات کا تکرار بھی کیا تاکہ ہر باب سے موافقت ومناسبت کی صورت پیدا ہو جائے اور یہ

تکرار مؤلفین کی عادت اور مصنفین اساتذہ کی فطرت واسلوب کے عین مطابق ہے۔اس سے ان کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ طالب، ہرجگہ اپنے مطلب ومقصد کی بات پالے اور مسئلے کی تلاش وجستجو میں اسے کوئی دقت پیش نہ آئے۔(اس کتاب کی ترتیب میں) ہم نے جن کتابوں سے استخراج کیا اور مسائل مستنبط کیے ان میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

(اس کے بعد ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے مصنف شہیر نے اس فتاوی کی تالیف وترتیب میں مدد لی۔ یہ دوسوسولہ کتابیں ہیں۔) جن میں ہدایہ، الکافی، الخوارزمی، شرح مجمع البحرین، شرح الوقایہ، تحفۃ الفقہاء، شرح طحاوی، النسفی، الخلاصہ، المحیط، فتاوی الناطفی، المبسوط، الذخیرہ، الواقعات للحسامی، فتاوی تاتارخانی، کشف الغوامض، جواہر الفتاوی، فتاوی البرہانی، جامع الفتاوی، کشف المکتوم، فتاوی سمرقندی، فتاوی قراخانی (یہ قبول قرآن خاں کی طرف منسوب ہے)، فتاوی النوازلی، فتاوی ولوالجی، خزانۃ الفقہ، فتاوی الصیرفی، تفسیر فخر الدین رازي، دستور القضاۃ، زاد الفقہاء، مشکوۃ المصابیح، معالم التنزیل، تفسیر الکشاف، الحاشیۃ البزدوی، فتاوی الابانہ، تفسیر شیخ شہاب الدین السہر وردی وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔اگرچہ یہ کتاب (فتاوی حمادیہ) فقہ احناف سے متعلق مسائل پر محیط ہے؛ تاہم اس میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو فقہ امام شافعی پر مشتمل ہیں۔

ان کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد مصنفؒ مقدمے کے آخر میں فرماتے ہیں:

فلما فرغنا عن جمع هذه المسائل الشريفة، سميناها بكتاب الحمادی لتكون محمودة، مقبولة، مشهورة، معمولة، فان الاعتصام بذيل الكرام يورث المقاصد والمرام، جعلنا الله وإياكم من الذين رضي بفضله عنهم وصلى الله على خير خلقه محمد وآله اجمعين.

"یعنی جب ہم ان تمام مسائل کی جمع وترتیب سے فارغ ہوئے تو اس کا نام "کتاب الحمادی" رکھا؛ تاکہ یہ اچھے لوگوں میں مقبول ومشہور اور قابل عمل قرار پاجائے۔اس سے اعتصام وتعلق انسان کو بنیادی مقاصد کا حامل بنادے گا (دعا ہے) اللہ تعالی ہم کو، آپ کو اور ان سب لوگوں کو جن سے وہ اپنے فضل وکرم سے راضی ہوا، اس زمرے میں شامل کرے۔صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔

فتاوی کے مصنف:

فتاوی حمادیہ نویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔افسوس ہے اس کے مصنف مفتی رکن الدین ناگوری، ان کے بیٹے اور معاون، مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری، قاضی القضاۃ حماد الدین گجراتی (جن کی طرف یہ فتاوی منسوب ہے) اور ان کے والد قاضی محمد اکرم گجراتی کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم ہوسکے کہ یہ نویں صدی ہجری کے اعیان وعلماء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا شمار ہندوستان کے طبقہ تاسعہ کے علماء وفقہاء میں ہوتا ہے۔نزہۃ الخواطر میں ان کا ذکر اسی زمرے میں کیا گیا ہے۔پھر یہ ذکر تفصیلی نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو فتاوی کے مقدمے سے مستفاد ہے۔چنانچہ مصنف فتاوی کے بارے میں مرقوم ہے۔

الشیخ عالم کبیر، علامہ مفتی رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری کا شمار اونچے درجے کے فقہاء میں ہوتا ہے، فقہ واصول میں ان کا مرتبہ بلند تھا، یہ گجرات کے ایک شہر نہر والا میں مفتی تھے۔ان کی تصنیف فتاوی حمادیہ ہے، جو ایک ضخیم کتاب ہے، یہ کتاب انہوں نے قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی کے حکم سے تصنیف کی اور اس سلسلے میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول کی دوسو چار کتابوں سے استفادہ کیا اور ان سے مسائل فقہی بیان کیے۔اس کا آغاز: **الحمد لله الذي نور قلوب الموحدين بنور التوحيد والايمان...** کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

قاضی حماد الدین گجراتی:

پہلے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب قاضی القضاۃ حماد الدین گجراتی کی طرف منسوب ہے۔ ان کے بارے میں صاحب نزہتہ الخواطر فرماتے ہیں:

الشیخ عالم وفقیہ، قاضی حماد الدین بن محمد اکرم حنفی گجراتی اپنے دور کے مشہور فضلاء میں سے تھے۔ نہر والا میں قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر متمکن تھے۔ مفتی رکن الدین ناگوری نے ان کے حکم سے فتاوی حمادیہ تصنیف فرمایا۔ مصنف نے ابتدائے کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، اور ان کی علمی دسترس اور فضل وکمال کی بڑی تعریف کی ہے۔

مصنف کے معاون:

فتاوی حمادیہ کی تصنیف میں مصنف کے لڑکے مفتی داود بن رکن الدین ناگوری نے ان کی امداد کی (اور جیسا کہ مقدمہ کتاب سے ظاہر ہے) ان کی معاونت سے یہ کتاب معرض تصنیف میں آئی۔ مفتی داود کے بارے میں سید عبدالحی حسنی صاحب نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں:

الشیخ عالم کبیر، مفتی داود بن رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری عظیم المرتبت عالم تھے اور فقہ واصول میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ بلاد گجرات کے ایک شہر نہر والا میں مسند افتا پر فائز تھے۔ فتاوی حمادیہ کی تدوین وترتیب میں- جیسا کہ آغاز کتاب میں ان کے والد نے صراحت کی ہے- انہوں نے اپنے والد مفتی رکن الدین ناگوری کی اعانت فرمائی۔

قاضی محمد اکرم گجراتی:

یہ قاضی حماد کے والد تھے۔ سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں: الشیخ عالم وفقیہ، قاضی محمد اکرم حنفی گجراتی بڑے علم وفضل کے حامل تھے اور ان علما میں سے تھے جن کو فقہ واصول میں خاص درک حاصل تھا۔ شہر نہر والا میں قاضی القضاۃ تھے۔ مفتی رکن الدین ناگوری نے اپنی تصنیف فتاوی حمادیہ کے دیباچے میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور امام، عالم، نعمان ثانی اور ناقد المعقول والمنقول وغیرہ القاب سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

مشمولات ومضامین:

فتاوی حمادی اسی قسم کے مضامین ومندرجات پر محیط ہے جو فقہ کی عام کتابوں کی زینت ہیں۔ اس فتاوی میں (جیسا کہ پہلے بتایا گیا) دو سو سے زائد کتابوں سے مسائل فقہی بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر بڑی تفصیل دی گئی ہے۔ بعض مسائل واحکام میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے اور اس زمانے کے حالات کے مطابق مسئلہ زیر بحث سے تعرض کیا گیا ہے۔

کیا بنی ہاشم کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

اہل علم کے نزدیک یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ اور صدقے کا مال دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

فتاوی حمادیہ کے مصنف نے کتاب الزکوۃ میں اس مسئلے کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا ہے، انھوں نے مختلف کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ بنی ہاشم کو صدقہ بھی دیا جاسکتا ہے اور زکوۃ بھی؛ چناں چہ فتاوی خوارزمی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابي حنيفة لا بأس بالصدقات كلها على بني هاشم والحرمة كانت على عهد النبي.

"امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہر قسم کے صدقات بنی ہاشم کو دیے جائیں، حرمت کا تعلق صرف رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک تک محدود تھا۔"

اس سے آگے فرماتے ہیں:

روی ابو عصمة، عن ابي حنيفة انه يجوز دفع الزكوة الى بني هاشم وانما كان لا يجوز في ذلك الوقت.

"ابو عصمہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے، اس کا عدم جواز صرف اس زمانے تک تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔"

کرمینی کے حوالے سے مزید فرماتے ہیں:

وقيل في زماننا يجوز دفع الزكوة اليهم.

"یعنی ہمارے زمانے میں ان (بنی ہاشم) کو زکوۃ ادا کرنا جائز ہے۔"

معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق لوگ:

کتاب السیر میں مصنف نے بہت سے فقہی مسائل کو شائستۂ التفات ٹھہرایا ہے، انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق کون لوگ ہیں۔ المحیط کے حوالے سے فتاوی حمادیہ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

واهل العطاء من يعمل لعامة المسلمين كالقاضي والمفتي والمدرس والغازي.

"جو لوگ عامۂ مسلمین کی خدمت پر متعین ہیں اور ان کے نام رجسٹر میں درج ہیں، مثلاً قاضی، مفتی، مدرس اور غازی، انہیں با قاعدہ (سالانہ یا جو طریقہ رائج ہو، اس کے مطابق مسلمانوں کے بیت المال سے اتنا معاوضہ ملنا چاہیے، جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔"

وہ اس معاوضے کے مستحق کیوں ہیں؟ مصنف فرماتے ہیں:

وإنما استحقوا ذلك لانهم فرغوا انفسهم لعمل المسلمين فيكون كفايتهم في مال من بيت مال المسلمين.

"یعنی وہ اس معاوضے کا استحقاق اس بنا پر رکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لیے فارغ کر لیا ہے اور ان کی کفالت کی ذمہ داری مسلمانوں کے بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔"

اس مسئلے پر مصنف نے کتاب القضاء میں بھی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی اور دیگر عمال حکومت معاوضہ لینے میں حق بجانب ہیں، کیوں کہ ان کی مصروفیات اس نوعیت کی ہیں کہ وہ اور کوئی کام نہیں کر سکتے، اس میں مصروف رہتے ہیں۔ خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی بھی بیت المال سے معاوضہ لیتے تھے۔ اسی طرح علماء وفقہاء کا کہنا ہے کہ معلمین قرآن بھی معاوضہ لے سکتے ہیں۔ (ورق:۲۱۶)

مسجد کا وقف:

فتاوی حمادیہ میں کتاب الوقف کے تحت وقف کے سلسلے میں خاصی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اس میں ایک مسئلہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص مسجد کے لیے جگہ وقف کرتا ہے اور اس میں اپنے خرچ سے مسجد تعمیر کرتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کیا وہ اس مسجد میں اپنی مرضی سے مؤذن یا امام مقرر کر سکتا ہے؟

مصنف فتاوی جواب دیتے ہیں، واقف اپنی پسند کے مؤذن اور امام کا تقرر نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ وقف کے بعد جب مسجد پر اس کا کوئی ذاتی حق نہیں رہا تو اس کی کسی چیز پر بھی (جس میں مؤذن، امام اور خادم بھی شامل ہیں) اس کا کوئی استحقاق نہیں رہتا۔ وہ تنہا اس سلسلے میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں بلکہ اس نوع کے تمام معاملات مسجد کے نمازیوں اور محلہ یا گاؤں (جہاں مسجد تعمیر ہے) کے لوگوں کے مشورے سے طے پائیں گے اور وہی کچھ ہوگا جو وہ کہیں گے؛ کیوں کہ مسجد اس کی ملکیت نہیں، وقف ہے اور وقف پر سب کے یکساں حقوق ہیں۔

اجتہاد فی القضاء:

عدل وانصاف کی مسند پر قاضی اجتہاد سے بھی کام لے سکتا ہے، لیکن اس سلسلے میں اسے یہ بات بہر حال ملحوظ رکھنا پڑے گی کہ اجتہاد فی القضاء سے نص اور اجماع امت کی مخالفت نہ ہوتی ہو، اگر اجتہاد قاضی ان دونوں اصولوں کی مخالفت پر مبنی ہوگا تو باطل قرار پائے گا؛ کیوں کہ نص اور اجماع کو اجتہاد پر فوقیت حاصل ہے اور اجتہاد نص اور اجماع کی روشنی میں کیا جاتا ہے، نہ کہ اس کو نظر انداز کرکے۔

اشتہار ومنادی کے ذریعے ملزم کی تلاش:

مدعی بار بار مدعا علیہ کے مکان پر جاتا ہے اور عدالت بھی اپنے ذرائع سے اس کو طلب کرتی ہے مگر نہ وہ گھر پر ملتا ہے اور نہ عدالت میں حاضر ہوتا ہے، ایسی صورت میں عدالت اس کے مکان پر اپنا ایک وکیل (نمائندہ) بھیجے، جس کے ساتھ عدالت کی طرف سے دو گواہ بھی ہوں، وہ نمائندہ مسلسل تین روز دن میں تین تین بار اس کے مکان پر جائے اور دو گواہوں کی موجودگی میں اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے۔ ’’فلاں بن فلاں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت قاضی کی عدالت میں حاضر ہو اور فلاں الزام کے بارے میں جو فلاں شخص کی طرف سے اس پر عاید کیا گیا ہے اپنی پوزیشن واضح کرے، اگر وہ تاریخ مقررہ اور وقت مقررہ پر عدالت میں حاضر نہ ہوگا اور نہ اپنا وکیل بھیجے گا اور نہ کوئی اطلاع دے گا تو قاضی اس کی طرف سے ایک وکیل مقرر کرکے عاید شدہ الزام کے بارے میں شہادتیں لے گا اور شہادتوں کی روشنی میں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد فیصلہ صادر کردے گا۔‘‘

اس سے ثابت ہوا کہ عدالت میں حاضر کرنے کے لیے مدعا علیہ کی تلاش کی کوشش قاضی کے فرائض میں داخل ہے اور اس سلسلے میں اسے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو اس زمانے میں مروج ہو اور جس سے مدعا علیہ کی تلاش میں مدد لے سکے؛ ورنہ اسے یک طرفہ فیصلہ صادر کرنے کا حق حاصل ہے۔

اگر محبوس جیل میں بیمار پڑ جائے:

ایک شخص کسی سلسلے میں قید خانے میں محبوس ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے، تو قاضی کا فرض ہے کہ قید خانے کے عملے کو اس کے علاج معالجے کا حکم دے اور اس کے لیے ایک خادم بھی مہیا کرے اور اگر علاج وخدمت کے باوجود بیماری شدت اختیار کر لیتی ہے اور قید خانے میں علاج کی کوئی مؤثر صورت نہیں ہے تو قاضی کو چاہیے کہ اس کی رہائی کے احکام جاری کردے، کیوں کہ حبس سے اصل مقصد اس کو سزا دینا ہے نہ کہ ہلاک کرنا۔ (ورق: ۲۱۵)

اچھائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہونا چاہیے:

مصنف اس سلسلے میں آگے چل کر فتاوی خانیہ کے حوالے سے کہتے ہیں: اگر کسی شخص کی اچھائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کی معاشرت اور میل جول کا انداز بہتر ہو اور اس کی بعض کمزوریوں کے باوجود لوگ مجلسی طور پر اس کی عزت کرتے

ہوں، دیکھنے میں وجاہت وحشمت کا مالک ہواور روزمرہ کے معاملات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بات کو وزن دیتے ہوں، اس کی شہادت قابل قبول ہوگی؛ کیوں کہ کسی شخص کا دامن بھی گناہوں سے پاک نہیں اور کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں۔

مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ معمولی لغزشوں سے شہادت کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا، بہت لوگ غلطیاں کرتے ہیں اگر غلطی کا وزن نیکی سے کم ہو تو شہادت مجروح نہیں ہوگی اور عدالت میں اس کی بات مانی جائے گی، المحیط کے حوالے سے مصنف مشہور محدث وفقیہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اس باب میں قول نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

من غلب حسناته علی سیئاته، قبلت شهادته.

"جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں، اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔"

حج ثانی کے بجائے صدقہ:

اسی طرح مصنف شہیر نے اس مسئلے کو بھی لائق التفات قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ کر چکا ہو اور دوسری بار جانے کا متمنی ہو تو کیا کرے، اس کے لیے حج ثانی بہتر ہے یا اتنا مال جو حج پر خرچ ہوگا، غربا و مستحقین پر صدقہ کر دینا افضل ہے؟ فتاوی سراجیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

اگر مردے یک بار حج بجا آوردہ، بعدہ می خواہد کہ باز در حج رود، تصدق بدیں مال یعنی مال کہ در راہ حج خرج خواہد کرد، افضل بود از حج۔

یعنی اگر کوئی شخص ایک مرتبہ فرض حج ادا کر چکا ہو اور دوسری مرتبہ جانے کا خواہاں ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ جو روپے وہ حج پر خرچ کرنا چاہتا ہے، وہ (مستحق لوگوں پر) خرچ کر دے، یہ حج سے زیادہ باعث افضلیت ہے۔

فتاوی ابراہیم شاہی

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں "فتاوی ابراہیم شاہی" نام کے دو مخطوطے ہیں۔ ایک فارسی زبان میں ہے اور ایک عربی زبان میں ہم نے دونوں کا تقابل کیا تو معلوم ہوا کہ اگرچہ مصنف نے واضح الفاظ میں کتاب کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا۔ لیکن یہ درحقیقت ایک ہی کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول فارسی میں ہے اور عبادات پر مشتمل ہے۔ اس کی الگ فہرست مضامین نہیں دی گئی جس سے اول نظر ہی میں یہ اندازہ ہو سکے کہ کتاب کس عنوان سے شروع ہو کر کس عنوان پر اختتام پذیر ہوتی ہے اور کتنے ابواب وفصول پر مشتمل اور کن کن مسائل و مشتملات کو محتوی ہے۔

فہرست مضامین متن کتاب کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، جو یہ ہے:

کتاب الطهارة، کتاب الصلوة، کتاب صلوة الجمعة، کتاب صلوة العیدین، کتاب صلوة الکسوف، کتاب صلوة الخسوف، کتاب صلوة الخوف، باب صلوة المریض، کتاب الصوم، کتاب الزکوة و کتاب الحج.

فتاوی کے نسخے:

فتاوی ابراہیم شاہی کے مختلف نسخوں کے متعلق جو معلومات حاصل ہو سکے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) اس کے دو نسخے رام پور لائبریری میں ہیں۔ ایک نسخہ کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک ہے اور ۹۹۰ صفحات پر مشتمل

ہے۔اس کا نمبر ۳۵۱ ہے۔دوسرے نسخے کا جو ناقص الطرفین ہے اور ۴۸۰ صفحات پر محیط ہے، ۳۵۲ نمبر ہے۔

(۲) اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں ہے۔اس نسخے کا نمبر ۱۱۷ ہے اور ۱۰۰۴ھ کا مکتوبہ ہے۔صفحات ۳۱۹ اور سطور فی صفحہ:۲۱ ہیں۔

کتب خانہ آصفیہ کی فہرست کتب کے مرتب نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہیں کیا، غالباً بلاد روم وعرب میں یہ کتاب نہیں پہنچی۔

''حاجی خلیفہ در کشف الظنون ذکر آں نہ نمودہ، غالبا کتاب مذکور در بلاد روم وعرب نہ رسیدہ۔''

معلوم نہیں، مرتب فہرست نے یہ الفاظ کس بنا پر لکھ دیے، حالاں کہ-جیسا کہ آئندہ سطور میں واضح کیا جا رہا ہے-اس کا ذکر کشف الظنون میں موجود ہے۔

(۳) فتاوی ابراہیم شاہی کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔حاجی خلیفہ نے لکھا ہے:

"ابراہیم شاہیہ فی فتاوی الحنفیہ۔'' شہاب الدین احمد بن محمد الملقب بنظام الکیکانی الحنفی کی تصنیف ہے اور قاضی خاں کی طرح مبسوط ومفصل کتاب ہے، کتاب کبیر من لفخر الکتب۔مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے اس کی جمع وتدوین کی۔اس کا آغاز''**الحمدللہ الذي رفع منار العلم واعلیٰ مقدارہ**"کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

کشف الظنون کی دوسری جلد میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔

فتاوی کی اہمیت:

اصحاب علم نے فتاوی ابراہیم شاہی کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور مختلف فہارس کتب کے مرتبین اور عام مؤرخین نے اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں بہتر رائے ظاہر کی ہے، لیکن فتاوی عالم گیری کے مقدمے میں نہ صرف یہ کہ اس کو کوئی خاص علمی اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اس کو نا قابل اعتنا گردانا گیا ہے اور لکھا ہے:

''منجملہ کتب غیر معتبرہ کے فتاوی ابراہیم شاہی ہے اور شیخ عبدالقادر بدایونی نے اپنے استاذ علامہ شیخ حاتم سنبھلی سے نقل کیا ہے۔ یہ فتاوی قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا جمع کیا ہوا مشہور مگر قابل اعتبار نہیں۔''

نوٹ: یہ فتاوی قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا نہیں بلکہ فاضل نظام الدین جون پوری کا ہے، جنہیں احمد بن محمد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے معاصر ہیں۔مقدمہ فتاوی عالم گیری (اردو ترجمہ) صفحہ:۳۷، ۳۸۔(مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱۹۳۲ء)

مصنف:

اس فتاویٰ کے مصنف قاضی احمد بن محمد جون پوری، سلطان ابراہیم شرقی والئ جون پور کے دور کے علماء میں سے ہیں۔جون پور کے قاضی تھے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے ہر طبقے میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں کیا ہے۔وہ تجلی نور (تاریخ جون پور کے حوالے سے لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الکبیر العلامة احمد بن محمد الحنفی الگیلانی القاضي نظام الدین الجونفوری، کان من کبار الفقهاء الحنفیة، قدم احد اسلافه من العرب، وسکن بگجرات، وولد بها القاضي نظام الدین ونشأ، وقرأ العلم

على اساتذة عصره، فبرز في الفقه والاصول، وصار من أكابر العلماء ثم قدم جونفور، فولاه ابراهيم الشرقي صاحب جونفور القضاء وخصه بانظار العناية والقبول۔

له مصنفات عديدة، اشهرها الفتاوى ابراهيم شاهية، في فتاوى الحنفية.

قال الفاضل الچلپي، في كشف الظنون هو كتاب كبير من افخر الكتب كقاضي خان، جمعه من مائة وستين كتابا، للسلطان ابراهيم شاه، اوله الحمدلله الذي رفع منار العلم واعلى مقداره (انتهى).

مات سنة أربع وسبعين، وقيل خمس وسبعين وثمان مائة، وقبره في (چاچك پور) من اعمال جونپور.

(نزہۃ الخواطر، جلد ثالث، صفحہ: ۲۱، ۲۲)

''یعنی شیخ عالم اجل، علامہ احمد بن محمد حنفی گیلانی، قاضی نظام الدین جون پوری، کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ عرب سے آکر گجرات میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، وہیں قاضی نظام الدین پیدا ہوئے اور پلے بڑھے، اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے فقہ اور اصول میں بڑا نام پایا اور اکابر علما میں سے گردانے گئے۔ پھر جون پور تشریف لے گئے، وہاں سلطان ابراہیم شرقی والئ جون پور نے ان کو عہدۂ قضا پر متمکن کردیا اور اپنی عنایت وقبولیت کے لیے خاص کرلیا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے الفتاوی ابراہیم شاہیہ فی فتاوی الحنفیہ خاص شہرت کی حامل تصنیف ہے۔

''فاضل چلپی کشف الظنون میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک عظیم اور مبسوط کتاب ہے اور فتاوی قاضی خاں کی طرح قابل فخر کتابوں میں سے ہے، جو مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے مرتب کی۔ اس کا آغاز:

الحمدلله الذي رفع منار العلم واعلى مقداره. کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

انہوں نے ۸۷۴ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۸۷۵ھ میں وفات پائی۔ قبر چاچک پور میں ہے جو مضافات جون پور میں واقع ہے۔''

''تاریخ شیراز ہند جون پور'' میں بھی قاضی نظام الدین کے حالات مرقوم ہیں۔ ان کے علم وفضل کی وسعت پذیریوں کے بارے میں لکھا ہے:

''کہتے ہیں کہ قاضی نظام الدین علوم دینیات میں اس قدر بلند پایہ تھے کہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین استفتا پر اس وقت تک مہر ثبت نہ کرتے تھے، جب تک حضرت قاضی نظام الدین دستخط نہ کردیتے تھے۔ دیگر علماء کے دستخط کا اعتبار نہ فرماتے تھے''۔

اس سے چند سطریں آگے لکھا ہے:

''وفات آپ کی ۸۷۵ھ میں ہوئی۔ مزار محلہ چاچک پور شہر جون پور میں ہے اور قریب جامع مسجد جون پور جس جگہ قاضی خانہ ہے، مکان سکونتی تعمیر کیا اور وہ محلہ قاضی نظام مشہور ہے۔''

قاضی نظام الدین جون پوریؒ وہ خوش بخت عالم دین ہیں کہ جن کے بعد ان کی اولاد واحفاد میں بھی علم کی شمع جلتی رہی اور لوگ اس سے برابر مستفید ہوتے رہے۔ ان جلیل القدر حضرات میں سے ایک بزرگ قاضی صلاح الدین جون پوری تھے، جن کا ذکر سید عبدالحی لکھنوی ''تجلی نور'' کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قاضی صلاح الدین جون پوری، انہی قاضی نظام الدین مصنف ''الفتاوی ابراہیم الشاہیہ'' کے پوتے تھے انہوں نے اپنے اس عظیم الشان دادا کی مہد علم میں نشوونما پائی اور انہی سے تحصیل علم کی منزلیں طے کیں، ان کے انتقال کے بعد قاضی مقرر ہوئے اور پورے بیس سال منصب قضا پر فائز رہے۔ وہ بلند اخلاق، شیریں بیان اور فصیح اللسان شخص تھے۔ اتنے زبردست عالم تھے کہ اکثر علوم کے مسائل کی جزئیات میں کامل مہارت و استحضار رکھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی انفرادیت اس حد تک مسلمہ تھی کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا تھا۔ صحیح بخاری کے شارح سید عبدالاول بن علاء الحسینی جون پوری اور دیگر حضرات نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیے۔ (نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۱۶۱)

فہرست مضامین:

فتاوی ابراہیم شاہی کا یہ پہلا حصہ معاملات پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں ہے۔ اس کی فہرست مضامین درج ذیل ہے:

كتاب الغصب و الضمان، باب فيما ينقطع به عن المغصوب، باب البراء عن الضمان، باب المتفرقات، باب الوديعة، باب المتفرقات، كتاب العارية، باب المتفرقات، كتاب الشركة، باب شركة المفاوضة، باب شركة العنان، باب شركة الاعمال، باب المتفرقات، كتاب المضاربة، باب فيما يملك المضارب، باب في المضاربة الفاسدة، فصل في نفقة المضارب، باب المتفرقات، باب الحجر، باب المتفرقات، باب الماذون، فصل في ديون العبد الماذون، باب المتفرقات، كتاب الاقرار، باب الرجوع عن الاقرار، باب اقرار المريض، باب الاستثناء، باب الاقرار بالقرابة، باب المتفرقات، كتاب البيوع، باب مايجوز بيعه وما لايجوز، باب مايدخل تحت البيع وما لا يدخل، باب البيع الفاسد و الباطل، فصل في بيع الثمار والاشجار، فصل في بيع الاشجار، فصل في بيع المتاع، فصل في مايكره في البيع وما لا يكره، فصل في الاحتكار، فصل في بيع الفضولي وبيع الموقوف، فصل في نداء المامور، فصل في التلجية و المواضعة، باب المو الجة و التولية، باب خيار الشرط، باب خيار الرؤية، باب خيار العيب، فصل في بعض مسائل العيب، فصل في مايكون رضا بالعيب وفيما لا يكون، باب الاقالة و الفسخ، باب اختلاف البائع و المشترى، باب في القبض و التسليم، باب الربوا، باب السلم، باب الاستبراء، باب الاستحقاق، باب المتفرقات باب الصرف، باب في بيع الرفاء، باب في الدين، باب المتفرقات، باب الشفعة، باب طلب الشفعة و تسليمها، باب الأخذ بالشفعة، كتاب الوكالة، باب فى الفاظ التوكيل ونحوه، باب اثبات الوكالة، باب التوكيل بالبيع، باب توكيل الوكيل، باب عزل الوكيل، باب المتفرقات، كتاب الكفالة، باب كفالة الرجلين، باب كفالة العبدالماذون، و المهجور و الصبي و نحوه، باب الدفع و التسليم، باب المتفرقات، كتاب الحوالة، كتاب الصلح، باب المتفرقات، كتاب الهبة، فصل في مسائل الاستحقاق ونحوه، فصل في مسائل التبرع ونحوه، كتاب الهدية، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن، باب الانفكاك، فصل في اجرة بيت الرهن الذي يحفظ، باب المتفرقات، كتاب الاجارات، باب الاجارة الفاسدة، فصل في نسخ الاجارة، فصل في الاختلاف في الاجارة، فصل في بيع المستاجر، باب ضمان الاجير، باب المتفرقات، كتاب المزارعة، باب المساقاة و المعاملة، باب المتفرقات، باب احكام التحريم و الشرب، كتاب الصيد، فصل في الذبائح، باب التسمية على الذبيحة، فصل في الجنين، فصل في ذبيحة المحرم، باب ما

يحل أكله وما لا يحل، فصل (في) السمك، باب المتفرقات، كتاب الوقف، باب في وقف المنقول، باب وقف المشاع، باب رغبة القيم، باب مصارف الوقف، باب الدعوى والشهادة في الوقف، كتاب الجنايات، فصل القتل على خمسة اوجه، باب مايوجب القصاص وما لا يوجب، فصل في الشهادة في القتل، فصل في العفو عن القصاص، باب الجناية في مادون النفس، فصل في الجناية على اليد والاصابع، فصل في الجناية على السن والعظم، فصل في الجناية على شعر الرأس، فصل في الجناية على الاذن والانف، فصل في الجناية على اللسان والذكر ونحوه، فصل في تفسير حكومة العدل والاباحة، باب الديات، باب الجنين والصبى والمجنون، باب ما جناية العبد والجناية عليه، فصل في الجناية على العبد، فصل في جناية ام الولد والمدبر والمكاتب، باب القسامة، باب المعاقل، باب جناية البهائم والجناية عليها، باب ما يحدثه الرجل في الطريق، باب الحائط المائل، باب المتفرقات، كتاب الامارة والسلطنة والقضاء، باب في تقلد القضاء والتحرز عنه ومن يلى القضاء ومن لا يليه وفسق القاضي، فصل في رشوة القاضي، باب ادب القاضي، فصل فيما يكون حكما من القاضي وفيما لا يكون حكما، وفيمن يجوز قضاءه وفيمن لا يجوز، فصل فيما يحل للقاضي وما لا يحل، باب القضاء على الغائب، باب القضاء في المجتهدات، باب كتاب القاضي الى القاضي، باب التحكيم، باب المتفرقات، باب ادب المفتي، فصل في حصر المذاهب، كتاب الاحتساب، كتاب الشهادة، باب فيمن تقبل شهادته وفيمن لا تقبل، باب في شهادة الرجل، باب الاختلاف في الشهادة، باب الشهادة على الشهادة، باب التزكية، فصل في الشاهد الزور، باب الرجوع عن الشهادة والتزكية، باب المتفرقات، كتاب الدعوى، باب في دعوى الدين على الميت وللميت، باب دعوى الميراث والشهادة عليه، فصل في اثبات مال اليتيم على كل حال، فصل يرد حصتهم على المدعى، باب دعوى العتق والتدبر وغير ذلك، باب في دعوى النكاح والطلاق، باب دعوى النسب، باب دعوى العقار، باب في دعوى الحائط، باب في دعوى الطريق ومسائل الماء الجارى وغير ذلك، باب المتنازع في الدعوى، باب دعوى المنتج، باب التناقض في الدعوى، باب في دفع الدعوى، باب الابراء، فصل في مسائل شتى، باب الاستحلاف، فصل في التحالف، باب الحبس، باب المتفرقات، كتاب القسمة، باب المتفرقات، كتاب الوصايا، باب الوصى، باب المتفرقات، باب فيما يسئل من المسائل المشابهة، باب في تنبيه المجيب، باب المسائل المتفرقة، كتاب الفرائض، باب معرفة الفرض واصحابها، باب العصبات، باب ذوى الارحام، باب السقوط، باب العقائد.

مضامین کی یہ پوری فہرست ہم نے اس لیے درج کی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ فتاوی کس قدر مفصل اور متنوع ہے اور اس کے مندرجات ومشمولات کا دامن کتنا وسعت پذیر ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ مصنف نے کسی چیز کو تشنہ نہیں رہنے دیا اور تمام مسائل وضاحت اور تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خود سلطان ابراہیم شرقی بھی وسیع نظر کا حامل تھا اور ہر مسئلے کی جزئیات تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔

فتاوی کے نسخے:

فتاوی ابراہیم شاہی کے، اس حصے کا جو عربی زبان میں ہے، مختلف کتابوں اور فہرستوں میں ذکر آیا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدر

آباددکن) کی فہرست میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہاں کی لائبریری میں یہ فتاوی موجود ہے۔

کیا شئی مرہونہ میں تصرف ہوسکتا ہے؟

مصنف نے کتاب الرہن میں ''باب التصرف في الرہن'' کے عنوان سے ایک ذیلی باب باندھا ہے، اس میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ شئی مرہونہ میں کسی قسم کا تصرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مصنف کا کہنا ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز بصورت رہن موجود ہو، وہ اس میں کسی نوع کا تصرف یا ردوبدل نہیں کرسکتا، اس کا فرض ہے کہ وہ شی مرہونہ کو اسی شکل وصورت میں اپنے پاس رکھے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہونے دے، نہ وہ اس کو فروخت کرنے کا مجاز ہے اور نہ کسی کو دینے کا۔ مصنف شرح طحاوی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''وليس للمرتهن ان يبيع الرهن بغير اذن الراهن. فان باع بغير اذنه توقف على اجازته، فان اجاز، جاز، وان لم يجز فله ان يبطله.''

مرتہن، راہن کی اجازت کے بغیر مالی مرہونہ فروخت نہیں کرسکتا، اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردے تو بیع متحقق ہونے میں اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا، جب تک راہن کی طرف سے باقاعدہ اجازت حاصل نہ ہوجائے، اگر وہ اجازت دے دے تو بیع جائز ہوگی؛ ورنہ باطل قرار پائے گی۔

وہ بوسیدہ دیوار جوگزرگاہ عامہ کی طرف جھکی ہو:

فتاوی ابراہیم شاہی کے طویل مضامین میں سے ایک ''کتاب الجنایات'' ہے۔ کتاب کا یہ حصہ متعدد ذیلی اور ضمنی ابواب میں پھیلا ہوا ہے، اس میں ایک باب کا عنوان ہے: ''باب الحائط المائل'' اس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی مکان کی دیوار شکستہ اور بوسیدہ ہو اور گزرگاہ عام کی طرف جھکی ہو، وہ گرجائے تو نقصان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ فتاوی کے مصنف ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اذا مال الحائط الى طريق المسلمين فطولب لصاحبه بنقضه و اشهد عليه فلم ينقضه في مدة يقدر على نقضه حتى سقط، يجب عليه ضمان ما تلف به من نفس او مال. وفيها ايضا ويستوى ان يطالبه بنقض ذالك مسلم أو ذمي لان الناس كلهم شركاء في المرور. فيصح التقدم اليها من كل واحد منهم رجلا كان او امرأة، حرا كان او مكاتبا ويصح التقدم اليها عند السلطان وغيره.

''اگر کسی کی دیوار مسلمانوں کی عام گزرگاہ کی طرف جھکی ہو اور اس کے مالک سے گواہوں کی موجودگی میں اس کے گرادینے کا مطالبہ بھی کیا جاچکا ہو؛ لیکن اس کی خطرناک بوسیدگی وشکستگی کے باوجود اس نے اسے گرایا نہ ہو، یہاں تک کہ وہ خود گر پڑی ہو تو اس کی وجہ سے جو مالی وجانی نقصان ہوا ہے، دیوار کا مالک اس کا ذمہ دار ہوگا، یاد رہے اس قسم کی دیوار کو گرانے کے مطالبے میں مسلمان اور ذمی برابر کا حق رکھتے ہیں، کیوں کہ وہاں آمدورفت میں سب برابر کے شریک ہیں، اس سلسلے میں کوئی مرد یا عورت، آزاد یا مکاتب وغلام، جو شخص بھی کوئی قدم اٹھانے میں آگے بڑھے گا حق بجانب ہوگا۔ اور اس قسم کے معاملے کو سلطان اور حکمران کے پاس لے جانا بھی صحیح متصور ہوگا۔''

فتاوی ابراہیم شاہی کے یہ چند مباحث بطور مثال درج کیے گئے ہیں؛ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ پوری کتاب فقہی معلومات کا خزانہ ہے، اس کی مکمل فہرست مضامین آغاز مضمون میں نقل کردی گئی ہے، تاکہ کوئی صاحب کسی خاص موضوع سے متعلق دلچسپی رکھتے ہوں تو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرسکیں اور براہ راست اس کے مندرجات سے مستفید ہوسکیں۔

یہ فتاوی بجاطور پر ان علمی ذخائر میں سے ہے جو برصغیر پاک وہند کے علمائے دین کی نا قابل فراموش یادگار ہیں اور جن میں انہوں نے اپنے فقہی معلومات کا عطر نچوڑ کر آنے والی نسلوں اور اصحاب علم کے لیے خاص ترتیب اور عمدہ سلیقے سے صفحات قرطاس پر منتقل کر دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، اس دور کے فقہائے عظام کے علاوہ، اصحاب حکومت اور اس ملک کے ارباب بست وکشاد فقہی مسائل سے کس درجہ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ پیش آئند مشکل امور کی عقدہ کشائی میں کتنے کوشاں رہتے تھے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی سعی میں علمائے دین کی کتنی شدید ضرورت محسوس کرتے تھے، وہ قدم قدم پر علماء کے محتاج تھے اور انہی کی رہنمائی میں معاملات ومسائل کی زلف گرہ گیر کو سلجھاتے تھے، اس لحاظ سے کہنا چاہیے کہ یہ فتاوی ہماری گزری ہوئی تہذیب کی ایک بہترین یادگار ہے اور ہمارے دور ماضی کا ایک مثالی نقش!

المتانة في مرمة الخزانة

برصغیر پاک وہند میں خطۂ سندھ کو باب الاسلام کی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں متعدد علما وفقہا باہر سے بھی تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے اور خود اس خطہ ارض نے بھی اس قسم کے بے شمار حضرات پیدا کیے، جنہوں نے قابل رشک علمی اور فقہی خدمات انجام دیں۔

علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی:

ان علمائے گرامی قدر کی عظیم المرتبت جماعت میں دسویں صدی ہجری کے لائق احترام عالم وفقیہ، علامہ مخدوم محمد جعفر بن علامہ مخدوم عبدالکریم المشہور بہ میران بن یعقوب بوبکانی سندھی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ ان کی فقہی تصنیف "المتانۃ فی مرمتہ الخزانۃ" مطبوعہ شکل میں موجود ہے، اور عربی زبان میں ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ء (۱۳۸۱ھ) میں سندھی ادبی بورڈ کراچی (لجنۃ احیاء الادب السندی) کی طرف سے شائع ہو چکی ہے، جس پر عربی میں مولانا ابوسعید غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے جو بڑا معلومات افزا ہے۔ افسوس ہے، اس کتاب کے مصنف علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جو کچھ معلوم ہوسکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریہ "بک" یا "بوبکان" سندھ کے مراکز علمیہ میں سے تھا، جس میں ایک عرصے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد سے کچھ لوگ آباد تھے۔ یہ نہایت قانع اور عابد وزاہد لوگ تھے۔ چونکہ یہ طویل مدت سے خدمت علم میں مشغول چلے آرہے تھے، لہذا ان کو "مخدومین" کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ ان خوش بخت حضرات میں ایک بزرگ علامہ مخدوم عبدالکریم تھے، جو شیخ میران کے نام سے معروف تھے اور بہت بڑے عالم وفقیہ تھے۔ انہوں نے تمام عمر درس وتدریس میں صرف کر دی اور بے شمار حضرات نے ان سے استفادہ کیا۔ سندھ کے حکمران مرزا حسن بیگ ارغون کا نام بھی ان کے تلامذہ کی فہرست میں مرقوم ہے۔ سید عبدالحی حسنی لکھنوی تاریخ سندھ کے حوالے سے "الشیخ میران السندی" کے عنوان کے تحت نزہتہ الخواطر میں رقم طراز ہیں:

الشيخ الفاضل ميران بن يعقوب التتوى السندي، احد كبار العلماء درس، وافاد مدة عمره، واخذ عنه مرزا شاه حسن صاحب السند وخلق كثير من العلماء، مات سنة تسع واربعين وتسعمائة، فارخ لوفاته بعضهم علامه وارث الانبياء، وقبره على جبل مكلى.

"یعنی شیخ، فاضل میران بن یعقوب ٹھٹھوی سندھی، کبار علما میں سے تھے۔ عمر بھر درس وافادہ میں مصروف رہے۔ والئ سندھ مرزا شاہ حسن اور کثیر تعداد پر مشتمل علما نے ان سے اخذ علم کیا۔ ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ بعض حضرات نے "علامہ وارث الانبیاء" سے ان کی

تاریخ وفات نکالی۔قبر جبل مکلی پر واقع ہے۔"

علامہ مخدوم محمد جعفر مصنف المتانۃ، انہی شیخ عبدالکریم المعروف بہ میران کے فرزند گرامی قدر تھے۔ انھوں نے اپنے والد (شیخ میران) سے تحصیل علم کی۔

المتانۃ في مرمۃ الخزانۃ۔ ان کی یہ وہ تصنیف ہے جو خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس وقت پیش نگاہ ہے۔ یہ کتاب کیوں کر معرض تصنیف میں آئی؟ اس کی ایک وجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک عالم دین قاضی جگن گجراتی (متوفی ۹۲۰ھ) ہندوستان کے مشہور علاقہ گجرات کے رہنے والے تھے۔ یہ چار بھائی تھے اور چاروں قاضی تھے۔ (نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۸۲)

صاحب نزہۃ الخواطر سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے اپنی اردو تصنیف "یاد ایام" میں بھی ان کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے نام ونسب وغیرہ کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہو سکیں۔ (یاد ایام، صفحہ: ۵۴)

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ قاضی جگن گجرات کے ایک قصبہ ''کن'' کے رہنے والے تھے۔

مختصر یہ کہ ''خزانۃ الروایات'' کے نام سے ایک کتاب قاضی جگن گجراتی کی تصنیف ہے، جو فروع حنفیہ کو محتوی ہے لیکن محققین کے نزدیک یہ کتاب غیر مستند، غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہے اور بقول علامہ الفقیہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی:

انه من الكتب الغير المعتبرة، لانه مملو من الرطب واليابس مع مافيه من الاحاديث المخترعة والاخبار المختلفه.

اپنی کتاب ''المتانہ'' کی تصنیف کے وقت علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے اس کتاب کو سامنے رکھا اور اس میں سے تمام غیر معتبر مسائل اور غیر مستند مواد نکال دیا اور اس کے بجائے مفتیٰ بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ فرمایا۔ اس درجہ محنت اور کاوش کے بعد یہ کتاب ''المتانة في مرمة الخزانة'' کے نام سے موسوم ہوئی۔

چوں کہ علامہ بوبکانی نے اس پر بڑی محنت کی ہے اور اس سے غیر مستند مواد نکال کر مستند مواد کا اضافہ کر دیا ہے، لہذا اس کتاب کو کبار اعلام فقہ کے نزدیک معتبر اور مستند کتاب قرار دیا جاتا ہے۔

قلمی نسخے:

سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع شدہ المتانہ کا مقدمہ خاصہ مفصل ہے اور بہت سی بنیادی باتوں کو اپنے دامن صفحات میں گھیرے ہوئے ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ سندھ میں اس کتاب کے تین قلمی نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ سید حسام الدین راشدی کے کتب خانے میں ہے۔ دوسرا مدرسہ دارالہدیٰ تیڑھی کے کتب خانے میں اور تیسرا سید محب اللہ شاہ درگاہ پیر جھنڈا کے کتب خانے میں ہے۔

سن ہجری: ۷۰۱ تا ۸۰۰

(۱) شیخ عثمان ابن داود ملتانی، چشتیؒ (م ۷۳۶ھ ۱۳۳۵ء)

اپنے دور کے ہر فن کے ماہر عالم تھے، ہدایہ کے حافظ تھے۔

كان عليماً كبيراً بارعاً في الفقه والاصول والتصوف وكان يحفظ الهداية في الفقه. (نزہۃ الخواطر: ۲/ ۷۳)

(۲) شیخ کمال الدین علامہ قدس سرہ (متوفی ۷۵۶ھ - ۱۳۵۵ء)

آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے خلیفۂ اعظم تھے اور آپ کے خواہر زادہ بھی تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، چوں کہ آپ علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ میں یگانۂ روزگار تھے، اس لئے آپ کو علامہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا، خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ احمد آباد گجرات تشریف لے گئے، (یعنی بعد میں تعمیر ہونے والے احمد آباد کے قریبی علاقہ میں) جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔

آپ کی اولاد اور خلفاء آج (خزینۃ الاصفیاء کی تصنیف) تک احمد آباد میں موجود ہیں، مولانا کمال الدینؒ شجرۃ الانوار اور چشتیہ کی تحقیق کے مطابق (۷۵۶ھ مطابق ۱۳۵۵ء) میں فوت ہوئے۔ (مشائخ احمد آباد: ۱/ ۹۶، بحوالہ خزینۃ الاصفیا: ۲/ ۲۱۹)

(۳) شیخ رضی الدین عثمان گنج علمؒ (م ۷۷۰ھ ۱۳۶۸ء)

علم و فضل میں غیر معمولی دست گاہ رکھتے تھے اور اسی بنا پر گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت موصوف کے ایک فتوے کی تائید میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے ان کی جلالت شان اور علمی منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم نے لکھا ہے : **اصاب فیما اجاب الاستاذ الاجل المرشد الکامل الاکمل شیخ الشیخ رضی الدین گنج.** (مشائخ احمد آباد: ۱/ ۹۷)

(۴) سید حسین العریضی (م ۷۹۸ھ ۱۳۹۵ء)

جن کے ناموں کا پتہ چلتا ہے ایسے اولین مصنفوں میں سے ایک سید حسین بن عمر العریضی ہیں، ان کی ولادت (۶۶۸ھ/ ۱۲۶۹ء) میں غیاث پور میں ہوئی تھی۔

سید حسین اپنی ہمشیرہ بی بی آرام کے ہمراہ (۷۳۰ھ/ ۱۳۲۹ء) میں نہروالہ چلے آئے اور نہروالہ کو اپنی تبلیغی کارروائی کا مرکز قرار دیا تھا، شیخ کا انتقال (۷۹۸ھ/ ۱۳۹۵ء) میں ایک سو تیس سال کی بڑی عمر میں ہوا اور پٹن میں شہستر لنگ تالاب کے کنارے دفن ہوئے، آپ کے بھتیجے سید احمد ابن سید محمود نے آپ کا کام جاری رکھا تھا۔

العریضی کی صرف ایک تالیف کے نام کا پتہ چلتا ہے اور وہ ہے: ''**حاشیہ علی الھدایہ**''۔ (نزھۃ الخواطر: ص: ۳۶، ج: ۲)

گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص: ۱۱۷ پر یہ الفاظ ہیں: ''تھوڑے عرصہ میں علم کے دروازے آپ پر کھل گئے، یہاں تک کہ ہدایہ فقہ پر مشکل کشا حاشیہ آپ نے لکھا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ص: ۶۴)

(۵) مولانا یعقوب پٹنی (م ۷۹۸ھ ۱۳۹۶ء)

بڑے صالح اور فقیہ تھے، حال و وجد والے بزرگ تھے، خراسان کے بادشاہوں کی نسل سے تھے، پٹن آ کر بس گئے تھے اور پٹن ہی میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۳/ ۱۷۴)

سن ہجری : ۸۰۱ تا ۹۰۰

(۶) شیخ حسین بن محمد گجراتیؒ (م ۸۰۷ھ، ۱۴۰۴ء)

فقیہ تھے، گجرات کے مشہور مشائخ میں آپ کا شمار ہے۔ نوساری میں شیخ نصیر بن جمال نوساریؒ کی صحبت اختیار کر رکھی تھی، احمد

آباد میں آپ کی قبر ہے۔

(۷) مخدوم علی المہائمی (م ۸۳۸ / ۱۴۳۲)

شافعی فقہ پر ''الفقہ المخدومی'' نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ، مولوی عبدالحق حقانی کے اردو ترجمہ کے ساتھ بمبئی سے شائع ہوا تھا، ڈاکٹر زبید احمد نے بھی اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔

المہائمی کی ایک اہم کتاب ''انعام الملک العلام'' ہے، اس کا موضوع ''شریعت کے اسرار'' ہے، اس میں اسلامی احکام کے عقلی پہلوؤں کو سمجھایا گیا ہے، یہ اس قسم کی پہلی کتاب ہے، اس اچھوتے موضوع پر لکھ کر شیخ نے اپنے آپ کو اس کا موجد ثابت کیا ہے، اسی موضوع پر شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ بارہویں صدی کے نصف آخر میں تصنیف کی تھی۔ (یادایام: ص: ۹۳، سبحۃ المرجان: ص: ۳۹، عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۹۳، ۹۲)

(۸) شیخ عثمان حسینی گجراتیؒ (م ۸۶۳، ۱۴۵۹ء)

شیخ صالح اور فقیہ تھے، سرزمین گجرات میں شہرت یافتہ مشائخ میں آپ کا شمار ہے، عثمان پور (احمد آباد) میں ایک مدرسہ بنایا تھا، سلطان محمود بن محمدؒ کی اکثر کتابیں اسی مدرسہ میں رہتی تھیں۔ (نزہۃ الخواطر: ۹۹/۳)

(۹) قاضی سید اسماعیل اصفہانیؒ (۲۶/ ربیع الاول ۸۶۵ھ، ۸/ جنوری ۱۴۶۱ء)

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں: شیخ فاضل قاضی اسماعیل بن عبداللہ اصفہانی فقہ واصول فقہ میں یکتائے زمانہ تھے، بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ گجرات تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سواء دوسرے علمائے گجرات سے بھی پڑھا، آپ بھروچ میں قاضی مقرر ہوئے جہاں برسوں دادِ انصاف دیتے رہے، پھر بعد سلطان محمود الکبیر احمد آباد کی قضا تفویض ہوئی اور یہاں بھی سالہا سال تک اس منصب پر متمکن رہے۔

طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ الحسینی گجراتی سے فیض حاصل کیا، آخر ۲۶/ ربیع الاول ۸۶۵ھ ۸/ جنوری ۱۴۶۱ء کو آسودۂ لحد ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۳، ص: ۳۱)

خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے:

قاضی سید اسماعیل اصفہانی بن سید برہان قدس سرہ نہایت متقی اور باوقار تھے، بندر بھروچ کے قضا کی خدمت آپ کے سپرد تھی، جب حضرت شاہ عالم کو نذر بار اور سلطان پور کے ارادے سے اس طرف سفر کا اتفاق پیش آیا تو قاضی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت سے تعلق ارادت قائم کیا۔

سلطان محمود ثانی حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی، قاضی سید اسماعیل کو حکم ہو کہ وہ احمد آباد کی قضا قبول فرمائیں ورنہ یہ شہر ویران ہونے کو ہے، حضرت شاہ عالم نے ان سے فرمایا: چند روز عوام کی مصلحت کی خاطر تقلید قضا ضرور کیجئے، قاضی نے استعفاء دے دیا اور کہنے لگے ؎

لذت دیو انگاں را دیدہ ام   بادشرمم   اگر عاقل   شوم

حضرت شاہ عالم نے بہت تاکید سے فرمایا کہ تمہیں قبول کرنی ہوگی، مجبوراً قاضی نے عرض کیا کہ میں قبول کرتا ہوں؛ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ حق تعالیٰ اس ذوق وحال کو کہ جواب مجھے عنایت ہوا ہے وہ مرنے سے پہلے پھر مجھے حاصل ہوجائے، اورعود کرآئے، حضرت شاہ عالم نے کچھ دیر تامل فرمایا پھر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شانہ سے درخواست کی گئی کہ آپ کو اس حالت میں پھر واپس لوٹائے اور فقراء کے زمرے میں آپ کا حشر فرمائے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم کی جنازے کی امامت قاضی اسماعیل ہی نے فرمائی تھی، آپ کی قبر احمد آباد میں اندوپور میں واقع ہے۔(خاتمہ مرأۃ احمدی:۵۵،عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات-نزہۃ الخواطر:۳۰-۳۱)

(۱۰) قاضی عماد الدین گجراتیؒ (م۸۸۹ھ،۱۴۸۴ء)

بڑودہ کے قاضی تھے، سلطان محمود شاہ ثانی کے ایماء پر ایک جہاد میں شہید ہوئے۔ **ظهير الشرع السعيد الشهيد**.(نزہۃ الخواطر،۳/۱۱۰)

(۱۱) شیخ غوث الدین گجراتیؒ (م:۸۹۵ھ-۱۴۹۰ء)

یہ بلند پایہ عالم وفقیہ تھے، بغداد سے سلطان محمود ثانی کے دور میں گجرات آئے اور احمد آباد کو اپنا مسکن بنایا اور ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور اسی میں خدمت خلق ودین میں مشغول ہوگئے، ایک طویل زمانہ تک درس وتدریس میں مشغول رہنے کے بعد حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج وزیارت سے فراغت کے بعد پھر گجرات واپس لوٹے۔

آپ بلند پایہ عالم، محدث اور فقیہ تھے، درس وافادہ ہی مشغلہ تھا، آپ کے تلامذہ میں شیخ یعقوب بن خوند میر گجراتی کا نام ملتا ہے، ان کے علاوہ اور بھی لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ آپ کی وفات ۲۲ر صفر المظفر ۸۹۵ھ میں ہوئی۔(نزہۃ الخواطر:۳/۱۱۱،عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۱۲) مفتی رکن الدین ناگوریؒ (زمانہ: نویں صدی ہجری/ پندرویں صدی عیسوی)

نہروالہ کے قاضی القضاۃ حماد الدین احمد بن قاضی محمد اکرم کے ایما پر، قاضی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین، مفتی نہروالہ نے اپنے لڑکے مولانا داود کے تعاون سے، ''**الفتاوی الحمادیه**'' نامی مشہور کتاب کو مرتب کیا جو حنفی فقہ کی اہم تالیف ہے، اور اسے قاضی القضاۃ حماد کو معنون کیا، ان دونوں مصنفین نے مشترکہ طور پر ایسے فقہی مسائل جن پر فقہاء کا اجماع ہوچکا ہے، ان کے بارے میں مختلف فقہاء کی معتبر آراء کو اس کتاب میں جمع کیا ہے، مصنفین نے بڑی محنت سے اس کو مرتب کیا ہے اور دوسو سے زیادہ علماء سے رجوع کیا ہے، جن کی فہرست کتاب کے مقدمے میں دی گئی ہے، بانکی پور لائبریری کی وضاحتی فہرست کے مرتب کا خیال ہے کہ فتاوی حمادیہ کو آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں یا نویں صدی ہجری کے آغاز میں مرتب کیا گیا تھا، کیونکہ اس میں سب سے آخر میں جس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے وہ (۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء) میں وفات پانے والے صدر الشریعۃ الاصغر عبید اللہ بن مسعود الحنفی کی تصنیف ''**النقاية مختصر الوقايه**'' ہے، لیکن باریکی سے دیکھنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ (۸۹۱ھ/۱۴۵۶ء) میں لکھی گئی المار دینی کی **کشف الغوامض**، آخری کتاب ہے، جس کا ذکر فتاوی الحمادیہ میں ہوا ہے، علاوہ اس کے قاضی جگن (وفات:۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء) نے اپنی کتاب **خزانة الروايات** میں اس کا ذکر کیا ہے، اس طرح ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فتاوی کی تدوین ہجری ۸۹۱ اور ۹۲۰ کے درمیان عمل میں آئی تھی، اس کے قلمی نسخے

متعدد مقامات پر دستیاب ہیں، اور (۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء) میں کلکتہ میں اسے طبع بھی کیا گیا تھا، البتہ مطبوعہ نسخے اب کم ملتے ہیں، ڈاکٹر زبید احمد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ج: ۳، ص: ۱۷، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۱۳) نعمت اللہ النہروالیؒ (زمانہ قریباً نویں صدی ہجری/ پندرویں صدی عیسوی)

سلطان محمود بیگڑہ کے عہد (۹۱۷-۸۶۳ھ/ ۱۵۱۱-۱۴۵۸ء) کے دانشوروں میں سے ایک نعمت اللہ بن طاہر بن محمود النہروالی بھی ہیں، ان کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں، خلاصۃ الکیدانی کے طرز پر اور فقہ کے موضوع پر ان کا ایک رسالہ ملتا ہے جس کا نام ''صلاۃ التراویح'' ہے، اسے انہوں نے کسی سید سراج کے ایما پر لکھا تھا، اس کے مخطوطے پیشاور اور احمد آباد میں ملتے ہیں۔

نعمت اللہ نے عیون الشرع نامی اپنی کتاب سلطان محمود بیگڑہ کو معنون کی تھی؛ اس کا مخطوطہ لاہور کے شیرانی کلکشن اور احمد آباد میں ملتا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۱۱۶)

(۱۴) شیخ عبداللطیف الفتنی (پٹنی) (زمانہ: نویں صدی ہجری/ پندرویں صدی عیسوی)

شیخ عبداللطیف بن جمال الدین بن حمید الفتنی، نہروالہ (پٹن) میں ایک خانقاہ اور مدرسہ چلاتے تھے، بقول ڈاکٹر باقر علی آپ گیارہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔

شیخ عبداللطیف بن شیخ جمال پٹنی دیگر عربی کتابوں کے مصنف ہیں؛ مثلا:

(۱) منیۃ الفحول (موضوع، تعدد ازدواج) قلمی نسخے کے لئے دیکھئے: پیر محمد شاہ لائبریری، احمد آباد، وضاحتی فہرست، جلد: ۱، مخطوطہ نمبر: ۳۶۴۔

(۲) لطائف البرھانیہ فی وظائف الاعتکاف والاربعینہ، پیر محمد شاہ لائبریری، وضاحتی فہرست، جلد: ۲، مخطوطہ نمبر: ۶۱۶۔

(۳) زاد العاشقین فی سبیل الصادقین (موضوع: تصوف) پیر محمد شاہ لائبریری، وضاحتی فہرست، جلد: ۵، نمبر 1468-2، مندرجہ بالا میں سے لطائف البرھانیہ کے مخطوطے میں سال تصنیف ۸۵۴ھ بتایا ہوا ہے، اس کے علاوہ خود شیخ عبداللطیف کے بیان کے مطابق یہ تینوں کتابیں، انہوں نے اپنے پیرومرشد حضرت برہان الدین قطب عالم بخاری (مدفن: بٹوہ، احمد آباد) کے حکم اور ایماء پر لکھی تھیں، حضرت قطب عالم کا سال وفات ۸۵۷ھ ہے اور آپ احمد آباد میں مقیم ہونے سے پہلے نہروالا پٹن میں رہائش پزیر تھے، یہ باتیں محقق ہیں، ان شواہد کی موجودگی میں شیخ عبداللطیف کا زمانہ نویں صدی ہجری قرار پاتا ہے، نہ کہ گیارہویں صدی ہجری، جیسا کہ ڈاکٹر باقر علی نے یہاں بتایا ہے۔

شرح المواھب:

ابراہیم بن موسی الطّرابلسی (۹۲۲-۸۴۳ھ) کی فقہ کے موضوع پر لکھی گئی مختصر تالیف مواھب الرحمن کی شرح ہے، غالبًا اس کا واحد قلمی نسخہ بانکی پور میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے بھی اس شرح کا ذکر کیا ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۳/ ۹۴، عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ص: ۲۳۶، ۲۳۷)

(۱۵) شیخ تاج الدین نہروالی (پٹنی)

پٹن میں شیخ حسام الدینؒ کے مقبرہ میں درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے،ایک عالم آپ کے علوم سے مستفید ہوا۔

احد العلماء المبرزين في الفقه و العربيه. (نزہۃ الخواطر: ۴۵/۳)

(۱۶) قاضی حماد الدین گجراتیؒ

نہروالہ (پٹن) کے فقیہ اور قاضی القضاۃ تھے، حنفیہ کی مشہور کتاب ''الفتاوی الحمادیہ'' آپ ہی کے حکم سے مفتی رکن الدین ناگوری نے تالیف فرمائی تھی، کتاب کے شروع میں مصنف نے قاضی حماد الدینؒ کی وقیع الفاظ میں تعریف کی ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۵۱/۳)

(۱۷) شیخ حسین بن محمد بھروچیؒ

شیخ کمال الدین قزوینی بھروچیؒ کے مرید اور فقیہ تھے، بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپ سے مستفید ہوئے۔

احد العلماء المبرزين في الفقه و التصوف. (نزہۃ الخواطر: ۵۶/۳)

(۱۸) مفتی داود بن رکن الدین ناگوریؒ

آپ صاحب ''فتاوی حمادیہ'' کے صاحب زادہ ہیں، پٹن کے مفتی تھے، ''فتاوی حمادیہ'' کی تدوین میں آپ کا بھی حصہ ہے جیسا کہ کتاب کے دیباچہ میں ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۶۸/۳)

(۱۹) قاضی محمد اکرام گجراتیؒ

پٹن کے قاضی تھے، صاحب فتاوی حمادیہ نے کتاب کے شروع میں قاضی محمد اکرام کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

الامام العالم و نعمان الثاني و ناقد المعقول و المنقول. (نزہۃ الخواطر: ۱۵۷/۳)

سن ہجری : ۹۰۱ تا ۱۰۰۰

(۲۰) قاضی نجم الدین گجراتیؒ (م ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء)

محمود شاہ ثانی کے دور میں قاضی القضاۃ تھے۔ **الشيخ العالم الفقيه قاضي القضاة بگجرات.** (نزہۃ الخواطر: ۳۷۳/۴)

(۲۱) شیخ بہاء الدین گجراتیؒ (م ۹۱۲ھ ۱۵۰۲ء)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی، حضرت عمرؓ کی نسل سے تھے، صالح اور فقیہ تھے، برہان پور میں آپ کی خانقاہ تھی، وہیں انتقال ہوا۔ (ایضا: ۶۶/۴)

(۲۲) قاضی جگن (وفات: ۹۲۰ھ/ ۱۵۱۴ء)

حضرت شاہیہ کی خانقاہ میں شرکت کرنے والے کئی بزرگوں میں سے ایک مشہور فقیہ قاضی جگن بھی تھے، لیکن ان کے مکمل نام ونسب یا خاندان کے بارے میں کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا، راقم الحروف کی تحقیق کے دوران، ''چہل حکایات'' شاہیہ میں ایک شیخ محمود واعظ کا نام ملا ہے جو شیخ جگنان کہلاتے تھے، شیخ واعظ محمود ناگور سے قطب عالمؒ کی وفات کے بعد احمد آباد آئے اور ان کے جانشین حضرت شاہ عالمؒ کے مرید ہوئے تھے، اب دیکھنا یہ ہے کہ سید برہان الدین قطب عالم کی وفات ۸۵۰ھ میں ہوئی تھی اور ان کے صاحب زادے

حضرت شاہ عالمؒ کی وفات ۸۸۰ھ میں، جبکہ شیخ محمود کا انتقال ۹۲۰ھ میں ہوا تھا، (اس طرح شاہ عالم اور شیخ محمود کی وفات میں چالیس سال کا فاصلہ ہونے کی بنا پر) شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ محمود واعظ عرف شیخ جگنان ہی قاضی جگن ہیں؟

قاضی جگن کی ولادت گجرات کے کرو(Kiraw) ضلع کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی، شروع زندگی سے آپ نے فقہ میں دلچسپی لینا، فقہی مسائل کے دقیق نکات کو جمع کرنا اور پیچیدہ مسائل کی تحقیق کرنا اپنا مشغلہ بنالیا تھا، مطالعہ کے دوران قابل توجہ باتوں کو وہ لکھ لیا کرتے تھے، اس طرح بکھرے ہوئے مواد کا ایک ذخیرہ جمع ہوگیا، بڑی عمر میں آپ نے تمام مواد کو ترتیب دیکر اسے ایک کتاب کی شکل دی اور اس کا نام ''خزانۃ الروایات'' رکھا، آپ نے فقہی مسائل کی معتبر کتابوں، تفسیروں اور شرحوں سے تخریج کی اور کئی مفید اضافے بھی کئے، یہ خزانۃ الروایات دسویں اور گیارہویں صدی میں بہت مقبول رہی تھی، سید عبداللطیف نے اس کا انتخاب تیار کیا تھا، جس کا نام منتخب الخزانہ رکھا گیا تھا۔

منتخب الخزانہ کا قلمی نسخہ رامپور میں محفوظ ہے۔

یاد ایام کے مصنف کا کہنا ہے کہ حنفی مسلک کے لوگ اس کی روایات کو معتبر نہیں سمجھتے؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے حنفی مصنفین نے خزانۃ الروایات کی مدد لی ہے، ان میں سے ایک شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (وفات: ۱۲۶۱ھ) ہیں، جنہوں نے اپنی کتابوں ''مأۃ المسائل'' اور ''مسائل الاربعین'' میں کئی مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے، خزائن الروایات کے قلمی نسخے کئی جگہ ملتے ہیں۔ (عربی زبان وداب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ص: ۱۰۴، ۱۰۵)

قاضی جگن گجرات کے بہت بڑے عالم تھے، مگر ان کا نام ونسب تک معلوم نہیں، فاضل چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ قاضی جگن گجرات کے قصبہ کن میں رہتے تھے، حیف ہے کہ ایک شخص قسطنطنیہ میں بیٹھ کر یہ بتائے کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے، اور خود گجرات والے اتنا بھی نہ جانتے ہوں، فقہ حنفی میں ان کی کتاب ''خزانۃ الروایات'' بہت مشہور کتاب ہے؛ مگر علمائے احناف اس کی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے، تقریباً ۹۲۰ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۲/ ۸۲)

خزانۃ الروایات: یہ کتاب جگن الہندی گجراتی (۹۲۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء) نے مرتب کی ہے، حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب حنفی فقہ کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے، یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے، اور مرتب نے ان کتابوں کا اکثر حوالہ دیا ہے، اس کی ترتیب بھی اس قسم کی دوسری کتابوں جیسی ہے، صرف اس فرق کے ساتھ کہ شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔

مصنف نے یہ واضح فرمایا ہے کہ فقہ کے مطالعہ اور دینی مسائل کی تحقیق سے ان کو تمام عمر گہری دل چسپی رہی اور اس کے نتائج کو انہوں نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کردیا ہے۔

کتاب العلم میں انہوں نے علم اور علماء کی فضیلت بیان کی ہے، وہ خود حنفی تھے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے اوصاف وفضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے، انہوں نے فتاوی اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے، اور اصولِ فتاوی کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شرط اولین یہ ہے کہ فتاوی قرآن اور حدیث سے اخذ کردہ قطعی دلائل پر مبنی ہوں، اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر فتاوی امام ابوحنیفہؒ کے فیصلوں اور اس کے بعد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے فیصلوں کے مطابق ہوں، اگر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں شاگردوں کی آراء میں

اختلاف ہوتو پھر مفتی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جو رائے چاہے وہ پسند کرے؛لیکن اگر کسی شاگرد کی رائے استاذ کی رائے کے مطابق ہو تو پھر اسی کو ترجیح دی جائے،سوا اس صورت کے کہ مستند فقہاء نے استصلاح کے پیش نظر دونوں شاگردوں میں سے کسی ایک کی رائے قبول کیا ہو،اگر مفتی کو کوئی مستند حدیث مل جائے اور وہ اس کے اطلاق کے بارے میں مطمئن ہو تو پھر امام ابوحنیفہؒ کی رائے نظر انداز کردی جائے؛ کیوں کہ خود ان کا مشہور مقولہ ہے کہ اگر میری رائے مستند حدیث کے خلاف ہو تو اس کو نظر انداز کردو۔

المتانة فی حرمة الخزانة۔یعنی خزانہ کے متعلق مولانا عبدالحی کی رائے:

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے ''النافع الکبیر'' ص:۱۲ پر اس کتاب کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ غیر معتبر کتابوں سے ترتیب دی گئی ہے، اور اس میں رطب و یابس کو جمع کردیا گیا ہے،بعض گھڑی ہوئی احادیث بھی شامل ہیں،اسی ضعف کے سبب علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکائی نے اس کے تمام غیر معتبر وغیر مستند مواد کو خارج کرکے مفتیٰ بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ کرکے ''**المتانة فی حرمة الخزانة**'' نام کی کتاب لکھی، یہ کتاب مولانا غلام مصطفی قاسمی کے ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ **احیاء الادب السندی** کراچی سے **۱۹۶۲**ھ میں شائع ہوئی ہے۔(اکابر گجرات:۵۵۲،مشائخ احمد آباد)

(۲۳) جمال الدین محمد بن عمر بحرق حضرمی (م:۹۳۰ھ ۱۵۲۴)

ولادت اور نام ونسب: ان کی ولادت ۸۶۹ھ میں ۱۴/شعبان المعظم کی شب کو حضرموت میں ہوئی، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک بن عبداللہ بن علی حمیری حضرمی، جو بحرق ہی سے مشہور ہوگئے، پروفیسر محبوب حسین عباسی کا خیال یہ ہے کہ بحرق یمن میں ایک جگہ کا نام ہے، جو ان کی جائے ولادت ہے، جب کہ دیگر سوانح نگاروں کے مطابق یہ علامہ کا عرف ہے۔

حصول علم اور اساتذہ: ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی، وہیں حفظ قرآن کریم کیا، اس کے بعد معظم الحاوی اور الفیة النحو حفظ کرلی، اس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابیں پڑھیں اور حضرموت کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا۔

اس کے بعد عدن چلے گئے اور عبداللہ بن احمد مخرمہ کے یہاں حاضر خدمت ہوکر زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان کی صحبت میں رہتے ہوئے فقہ، اصول فقہ اور لغت عربی میں خوب فائدہ اٹھایا؛ نیز ان کے پاس سیرت ابن ہشام اور الفیة ابن مالک مکمل پڑھی اور فقہ میں الحاوی الصغیر کا خاصہ حصہ ان سے پڑھا، ان کے علاوہ شیخ محمد بن احمد بافضل سے بھی استفادہ کیا۔

پھر آپ زبید تشریف لے گئے اور وہاں علماء حدیث وفقہ سے استفادہ کیا، اس کے علاوہ اور بھی علوم وفنون پڑھے اور تعمق پیدا کیا، چنانچہ زبید میں زین الدین محمد بن عبداللطیف شرجی سے علم حدیث، محمد بن ابوبکر صائغ سے علم اصول تفسیر، نحو وغیرہ حاصل کئے اور انہیں سے ابوزرعہ کی شرح بهجة الوردية پڑھی اور جب ۸۹۴ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے، تو وہاں حافظ سخاوی سے سماعت کی اور علمی پیاس بجھائی۔

خدمات دینیہ اور گجرات تشریف آوری: مختلف علوم وفنون میں علمی مہارت حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوئے اور فتوی بھی دینے لگے، جو پسندیدہ نظر سے دیکھے جانے لگے اور میدان تصنیف وتالیف میں بھی قلمی جولانیاں دکھائی۔

اس کے ساتھ مقام شحر (زبید) میں عہدۂ قضاء پر بھی فائز ہوئے، بعد میں کسی وجہ سے خود ہی اس منصب سے علیحدگی اختیار کرلی، پھر عدن تشریف لے گئے، جہاں قبول عام نصیب ہوا اور امیر بھی آپ کو چاہنے لگا، لیکن امیر کے انتقال کے بعد عدن سے دل اچاٹ ہوگیا تو

ہندوستان کا رخ کیا اور گجرات کے سلطان مظفر شاہ دوم کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے آنے کا موقع ملا، سلطان نے بھی آپ کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ان کے شایان شان سلوک کیا، حتی کہ سلطان نے علامہ سے حدیث بھی پڑھی، خلاصہ یہ کہ دربار شاہی میں ایک عالم اور ایک امیر کی حیثیت سے کافی مقبولیت حاصل کر لی۔

تالیفات: چوں کہ آپ علماء راسخین اور ائمہ متبحرین میں سے تھے، جمیع علوم وفنون میں آپ کو یدطولی حاصل تھا، وہ تحقیق، جودت فکر اور باریک بینی میں بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے، اکثر فنون میں آپ کی تالیف اس کی شاہد ہے، جو ان کے علمی اور کثرت مطالعہ پر دلالت کرتے ہیں، سوانح نگاروں نے تقریباً ۳۰؍تالیفات کا تذکرہ کیا ہے۔

"حلیة البنات و البنین فی مایحتاج الیہ من امر الدین" یہ فقہ کے انتہائی ضروری مسائل کا مختصر مجموعہ ہے، جو چھوٹے بچے اور بچیوں کے لئے تجویز کیا گیا ہے، یہ دستیاب نہیں۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ص: ۱۰۹)

وفات: شیخ بحرق نے گجرات آنے کے بعد ایک سال کے عرصہ میں نہ صرف یہ کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عمدہ کتاب لکھ کر اپنی قابلیت کا سکہ منوایا؛ بلکہ بادشاہ کی نظروں میں مقرب ہو گئے اور بادشاہ آپ کی خوب تعظیم وتکریم کرنے لگا، یہی چیز آپ کی شہادت کا باعث بنی اور بعض وزراء نے آپ سے حسد کیا اور آپ کو زہر پلا دیا جس کی وجہ سے آپ ۲۰؍شعبان المعظم ۹۳۰ھ کو راہ گزین حیات جاویدانی ہو گئے۔ (شذرات الذهب: ۷/ ۲۶، ۶۵، ۱۷۷، الضوء اللامع: ۳/ ۲۵۳، گجرات کے علماء حدیث وتفسیر ۲۵، ۲۶، ۶۵، مشائخ احمد آباد: ۵۱-۶۰)

(۲۴) شمس الدین محمد بن محمد گجراتیؒ (م ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء)

گجرات ہی میں مولد ومدفن ہے۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه و الاصول و العربية. (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۱۳)

(۲۵) قاضی عبداللہ سندھیؒ (زمانہ: دسویں صدی ہجری، پندرویں صدی عیسوی)

شیخ عالم فقیہ قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری سندھی مہاجر مدنی مولد دربیلہ صوبہ سندھ، تحصیل درسیات شیخ عبدالعزیز ابہری شارح مشکوۃ سے کی اور خود مدت تک تدریس فرمائی، جب سلطان شاہی بیگ قندھاری سندھ پر قابض ہوا تو آپ حرمین شریفین کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

۹۴۷ھ/ ۱۵۴۰ء میں گجرات پہنچے، جہاں شیخ علی متقی برہان پوری سے ملاقات ہوئی، جن کی شہرت چار دانگ گجرات میں تھی، حتی کہ بہادر شاہ بھی ان کا معتقد تھا اور چاہتا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو، لیکن شیخ متقی اجازت نہیں دیتے تھے، بہرحال کچھ مدت احمد آباد میں شیخ علی متقی کی خدمت میں رہ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تھوڑی مدت میں وہاں انتقال فرمایا۔

تاریخ معصومی سے ان مقتدر مشاہیر علماء کے ترک وطن کرنے کی شہادت ملتی ہے، اولاً ۹۲۷ھ میں قلعہ بھکر سے سادات کو بے دخل کیا گیا، اس کے بعد قاضی عبداللہ بن ابراہیم ۹۳۴ھ میں گجرات چلے گئے اور وہاں سے حجاز مقدس جا پہنچے اور وہیں وفات ہوئی۔ (مشائخ احمد آباد: ۲۲۹-۲۳۰، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۲۶) احمد بن محمد نہروالیؒ (وفات: ۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء)

نام ونسب اور ولادت: آپ کا نام ونسب اس طرح ہے: احمد بن محمد بن قاضی خان بن بہاء الدین بن یعقوب بن اسماعیل بن علی

بن قاسم بن محمد بن ابراہیم بن اسماعیل عدنی خرقانی ابوالعباس علاؤالدین احمد نہروالی گجراتی۔

یہ مفتئ مکۃ المکرمہ علامہ قطب الدین نہروالی کے والد ہیں اور جدامجد قاضی خان سے مراد صاحب فتاوی (قاضی خان) نہیں ہے، آپ کی ولادت ۸۷۰ھ میں ہوئی۔

حصول علم اور اساتذہ: اپنے وطن ہی میں چند ممتاز علماء سے علم حاصل کیا، اس کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے، وہاں عزالدین عبدالعزیز بن نجم الدین عمر بن فہد اور دیگر ائمۂ حدیث سے حدیث پڑھی، آپ کی صحیح بخاری کی سند بہت ہی عالی ہے، جو آپ نے حافظ نورالدین ابوالفتوح احمد بن عبداللہ طاؤسی سے حاصل کی، شیخ مذکور گجرات بھی تشریف لائے ہیں، صلاح وتقوی میں مشہور تھے، انہوں نے (شیخ طاؤسی نے) شیخ یوسف ہروی سے بخاری کی سماعت کی ہے، شیخ ہروی سہ صد سالہ سے مشہور تھے، یعنی انہوں نے ۳۰۰/سال کی عمر پائی تھی، شیخ ہروی نے شیخ محمد بن شادبخت فرغانی سے سماعت کی، شیخ فرغانی بھی معمرین (طویل العمر لوگوں) میں سے ہے، انہوں نے شیخ ابولقمان یحییٰ بن عمار بن مقبل بن شاہان ختلانی سے سماعت کی ہے، ان کا شمار سمرقند کے ابدال میں ہوتا ہے اور یہ بھی معمرین میں سے ہے، انہوں نے ۱۴۳/سال کی عمر پائی، انہوں نے محمد بن یوسف فربری سے سماعت کی اور شیخ فربری نے صاحب صحیح محمد بن اسماعیل بخاری سے۔

اوصاف: آپ صاحب صلاح، متقی اور پرہیز گار تھے، مکہ المکرمہ کا سفر کیا اور وہیں ٹھہر گئے، آخری عمر میں بینائی ختم ہوچکی تھی۔
علامہ عبدالحی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ مکہ المکرمہ میں مدرسۂ احمد شاہ گجراتی میں دینی خدمات کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور وہیں وہ تدریس وافادہ میں مشغول رہے۔

وفات: آپ کی وفات ۹۴۹ھ میں مکہ المکرمہ میں ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۲)

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں مزید تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: ”ان کی ولادت ۸۷۱ھ میں نہر والہ میں ہی ہوئی، انہوں نے اپنے والد اور دادا نیز بہت سے علماء سے علم حاصل کیا، جن میں شیخ محمود بن ادریس زیادہ مشہور تھے، جب علوم اسلامیہ میں کمال حاصل کرلیا تو سلطان محمود شاہ نے ان کو گجرات کا منصب قضاء سپرد کیا۔“

۸۹۹ھ میں شیخ احمد نے نہروالہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور حج ادا کر کے مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہوئے اور مکہ مکرمہ اور دیگر اسلامی شہروں سے روابط پیدا کئے، علامہ سخاوی کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بھی کسب فیض فرمایا۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے الضوء اللامع میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ ۹۰۰ھ میں شیخ احمد نہروالہ تشریف لائے؛ مگر دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ گئے اور احمد شاہ گجراتی کے بنا کردہ مدرسہ میں مدرس ہوگئے تھے، آخری عمر میں بنائی سے محروم ہوگئے تھے، ۹۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ (علامہ قطب الدین نہروالی مختصر حالات وخدمات: ص: ۵، ۶، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۲۷) شیخ اللہ بخش گجراتیؒ (م ۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء)

شیخ محمد غوث گوالیریؒ کے مرید تھے۔

احد العلماء المبرزین فی الفقه والاصول والعربیة، درس وافاد زمانا. (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۹)

(۲۸) شیخ محمد بن افلح مکیؒ (وفات: ۹۷۲ھ ۱۵۶۴ء)

شیخ محمد بن افلح بڑے علامہ تھے، خصوصاً فصاحت وبلاغت اور ادب میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا، آپ کی مجلس میں ہر وقت لطیفے ،حکایتیں اور علمی گفتگو رہتی، آپ کے فہم وفقہ کا دائرہ بڑا وسیع تھا، ان کے متعلق صاحب النور السافر کا گمان یہ ہے کہ وہ زبید سے تعلق رکھتے تھے، اور یمن کے مشہور سات بزرگوں میں سے ایک شیخ افلح ہیں، یہ ان کی اولاد میں سے ہیں، انہوں نے عرصہ تک ہندوستان میں درس دیا، آپ کے شاگردوں میں فقیہ علی بن صبرالیافعی مشہور ہیں، فقیہ محمد بن سراج حضرمی بھی ایک دفعہ آپ کے درس میں حاضر ہوئے، شیخ محمد بن افلح نے متعدد قصائد کہے، غرض محمد بن افلح شافعی المذہب علم واصول میں بڑے محقق تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۹۷۲ھ کے کچھ بعد ہوئی ہے، واقعہ یہ ہوا کہ شیخ ہندوستان سے مکہ مکرمہ کے لئے گجرات کے وزیر الغ خان کی کشتی میں سوار ہوکر جارہے تھے کہ حادثہ ہوا اور کشتی اور تمام کشتی والے ڈوب گئے، ان شہید ہونے والوں میں فقیہ محمد زبیدی بھی تھے۔

ظفر الوالہ میں تفصیلی واقعہ لکھا ہے کہ ۹۷۲ھ میں ناخدا حسن علوان کے ساتھ شیخ شہاب الدین احمد زبیدی اور فقیہ جمال الدین محمد بن افلح یمنی گجرات سے حج کے لئے تشریف لے گئے، مگر ان کی کشتی جدہ میں داخل نہ ہوسکی، سقطرہ میں داخل ہوئی، کئی مہینے وہاں ٹھہرے رہے اور یہ دوسری کشتی تھی کہ جسے سقطرہ میں لنگر انداز ہونا پڑا تھا، دوسری کشتی کے ناخدا عنبر عبدالنبی تھے، باہم اتفاق سے دوسری کشتی کا سامان بھی اس میں رکھ دیا گیا، مگر سقطرہ سے جس دن چلے اسی دن کشتی ڈوب گئی اور تمام کشتی والے شہید ہوگئے۔(مشائخ احمد آباد: ۱/۱۳۱، نزہۃ الخواطر: ۴/۲۳۳، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۲۹) شیخ یوسف نجم الدین (سدّھ پوری) (تقریباً: ۹۷۴ھ ۱۵۶۷ء)

سدّھپور کے یوسف نجم الدین بن سلیمان نجی، اسماعیل داودی دعوت کے پہلے ہندوستانی داعی ہیں، وہ جوانی میں اپنے والد کے ہمراہ حرمین شریفین گئے تھے، وہاں سے واپس آتے ہوئے ان کے والد کا مُخا بندرگاہ (یمن) میں انتقال ہوگیا، تو یہ نوجوان تیئیسویں داعی شیخ محمد عزالدین کی قیام گاہ میں رک گئے اور ابتداء میں شیخ محمد حسن بن نوح سے اور بعد میں خود داعی مطلق سے تعلیم حاصل کی، تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ اپنے وطن لوٹ آئے۔(۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء) میں یوسف نجم الدین، داعی محمد عزالدین کے جانشین بنائے گئے تھے، اس کے بعد وطن (سدّھ پور) میں پانچ سال تک مفید خدمات انجام دینے کے بعد وہ یمن تشریف لے گئے، جہاں (۱۶/ ذی الحجہ ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۷ء) کو وفات تک قیام کیا تھا۔

آپ نے دو کتابیں تصنیف کی ہے: (۱) **مجمع الفقه** (۲) **رسالہ**۔ آخری تالیف ایک طرح سے جعفر بن محمد المحفوظی (وفات ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۴۱ء) کی کتاب "**المقيذة من نوم الغفلة**" کا ضمیمہ ہے۔(نام "المقیذۃ" ہی لکھا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ صحیح نام "الموقظۃ" ہوگا، کسی نے بگاڑ کر اس طرح لکھ دیا)

(۳۰) شیخ حسین بغدادیؒ (م: ۹۷۷ھ ۱۵۷۰ء)

ولادت وتعلیم: سوانح نگاروں نے آپ کی سن ولادت تحریر نہیں فرمائی ہے، ہاں! سن وفات ۹۷۷ھ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے: **وله ست وسبعون سنة**، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۰۱ھ میں ہوئی ہوگی۔

آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور آپ کا شمار علماء کبار میں ہوتا ہے، آپ کی ولادت اور نشو نما بغداد ہی میں ہوئی۔

آپ نے علمائے شہر سے علم حاصل کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں اجتہاد اور ایجاد سخن کا رتبہ حاصل کیا، اس کے بعد مزید حصول علم کی غرض سے امیر غیاث الدین بن منصور شیرازی سے استفادہ کے لئے شیراز کا سفر کیا، ابھی تو شیراز پہنچے ہی تھے کہ وہاں کے امیر ابراہیم خان نے اہل علم کی ایک مجلس طلب کی، جس میں شرکت کے لئے شیخ کو بھی دعوت دی گئی، جب لوگ حاضر ہوگئے تو امیر نے حاضرین کے سامنے وہ تمام اعتراضات پیش کئے، جو غیاث الدین بن منصور نے شرح التجرید پر علت ومعلول کی بحث میں کئے ہیں، حاضرین مجلس میں سے کوئی بھی جواب نہ دے سکا تو شیخ نے امیر سے کہا: اگر دو روز کے لئے یہ کتاب مجھے دی جائے تو میں اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب دوں گا، امیر نے مذکور کتاب ان کے حوالہ کردی، انہوں نے مطالعہ اور غور وخوض کے بعد دوسری مجلس میں متعدد وجوہ سے اور اس خوب صورتی سے جوابات دیئے کہ تمام علماء نے آپ کی تحسین فرمائی، ہاں! غیاث الدین منصور نے خجالت وشرمندگی کی بناء پر آپ کو خارجی اور ناصبی سے متہم کیا اور امیر سے بھی مطالبہ کیا کہ ان کو شہر بدر کردیا جائے، لیکن امیر شہر نے نہ صرف انکار کیا بلکہ سفارشی انداز میں فرمایا: جو شخص اس شہر میں آپ سے استفادہ کی غرض سے حاضر ہو، اسے میں کیسے شہر بدر کرسکتا ہوں؟ بالآخر غیاث الدین ان سے راضی ہوگئے اور شیخ نے ایک مدت تک شیراز میں ان سے استفادہ کیا۔

گجرات تشریف آوری: اس کے بعد شیخ نے حرمین شریفین کا رخت سفر باندھا اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے، اس کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور کئی بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی، (ہوسکتا ہے کہ افادہ اور فیض رسانی کے لئے مناسب جگہ وآب وہوا کی تلاش ہو اور اس عرصہ میں بھی انہوں نے ان جگہوں پر فیض پہنچایا ہو، جہاں وہ پہنچے) آخر میں آپ نے گجرات کے مشہور شہر احمد آباد کو اقامت وافادہ کے لئے پسند فرمایا اور سکونت اختیار کی اور یہیں آپ نے مسند درس وافادہ آراستہ فرمائی، آپ سے مولانا عبد القادر بغدادی، حکیم عثمان بوبکانی اور ان کے علاوہ بے شمار افراد نے علم حاصل کیا۔

وفات: ۹۷۷ھ میں آپ نے آخری دم توڑا اور رسول آباد میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، بوقت وفات آپ کی عمر ۷۶ سال تھی۔ (مشائخ احمد آباد: ص: ۱۳۸، ۱۳۹، نزہۃ الخواطر: ۴/ ۸۴، صوبۂ گجرات اور عرب ممالک کے تعلقات)

(۳۱) شیخ حسن بن احمد گجراتیؒ (م ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء)

احمد آباد مولد ہے، علامہ کمال الدین دہلوی کی اولاد میں ہیں۔

كان عالماً كبيراً بارعاً في الفقه والاصول والعربية والتصوف والتفسير وله مصنفات عديدة. (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۸۷)

(۳۲) شیخ حسن (محمد) چشتیؒ (م ۹۸۲/ ۱۵۷۴)

حاشیۃ علی التلویح، التفتازانی کی تلویح پر حاشیہ۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۱۳۹)

(۳۳) قاضی عیسیٰ (م ۹۸۲/ ۱۵۷۴)

قاضی علاؤ الدین عیسیٰ بن شیخ عبد الرحیم گجراتی، احمد آباد کے حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کے ہم درس رہے تھے، آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے ملتا ہے، قاضی عیسیٰ کی ولادت رادھن پور میں ہوئی تھی، البتہ بعد میں آپ احمد آباد میں مقیم ہوگئے تھے، جہاں انہیں ممتاز دانشور شیخ عماد الدین تارمی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تھا، آپ کا انتقال (م ۹۸۲ھ/ ۱۵۷۴ء) میں ہوا تھا، آپ نے رائج الوقت تمام نصابی کتابوں کی شرحیں اور ان پر حاشیے لکھے تھے، ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر بھی آپ کی اہم

تصانیف ہیں، سید مرتضی زبیدی بلگرامی جیسے عظیم لغوی نے مشہور تالیف **تاج العروس فی شرح القاموس** میں قاضی عیسیٰ کی شرح **خطبة القاموس** کا حوالہ دیا ہے، (یہ شرح فیروز آبادی کی القاموس کے مقدمہ کی شرح ہے) نصر الحسینی نے **شرح دیباچہ القاموس** میں اس سے استفادہ کیا ہے، اس کو قاہرہ سے شائع ہونے والی القاموس کی تیسری اشاعت میں شامل کرلیا گیا ہے، اس کے مخطوطے بانکی پور اور مکہ میں محفوظ ہیں۔

قاضی عیسیٰ کے رسالے:

رسالۂ سماع، موسیقی کے اختلافی موضوع پر ہے، مصنف نے موضوع کو عالمانہ طریقہ پر پیش کیا ہے اور اس مسئلہ پر دو طرح سے بحث کی ہے، اعتقاد کے نظریہ سے اور عملی طور پر، آپ کا خیال ہے کہ موسیقی کے سننے کو ترک کرنے میں حفاظت ہے؛ لیکن جو اس میں ملوث ہیں ان کی تحقیر سے بھی اجتناب کرنا چاہئے، آپ نے مزید یہ کہ چاروں اماموں کے عقائد کی بنیاد پر موسیقی کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا عبدالحیؒ کے ذاتی کتاب خانہ میں اور دوسرا احمد آباد میں مخزون ہے۔

قاضی علاؤالدین عیسیٰ کی تقریباً انقلابی کہی جاسکے ایسی تالیف "**انتقال المقلد عن قول من قلده من الامام**" ہے، سنی فقہ کے چار مدرسہ ہائے فکر کے معتقدین کے لئے نہ صرف روایتی طریقہ پر بلکہ لازمی طور پر ضروری سمجھا گیا ہے کہ وہ جزوی باتوں میں بھی اپنے امام کی تقلید کریں، اور کسی ایک مکتبہ فکر (فرقے) کے ماننے والے کے لئے اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو نہ ماننے پر زور دیا گیا ہے، قاضی علاؤالدین اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک امام کے پیرو کے لئے چند باتوں میں دوسرے امام کی پیروی کرنا جائز ہے، علماء دین کے نزدیک یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔

یہاں "**انتقال المقلد**" کے مقدمہ میں سے چند سطریں ہم نمونے کے طور پر نقل کرتے ہیں:

"**إذا قلد فقيها في شيئ فله أن يرجع عنه إلى قول فقيه آخر۔۔۔**"

قاضی عیسیٰ مزید ارشاد فرماتے ہیں: **والحاصل ان احدا من الأئمة لم يمنع مقلديه عن اتباع غيره في ۔۔۔ الجزئيات سيماً اذا راح رجحان مذهبه بالحديث بل صرحوا بالامر باتباعه، ولم ينكروا على فهم في فروع الدين، ولم يشفعوا عليهم بخلاف من خلف في اصول الدين۔۔۔**

اس رسالہ کا ایک مکمل نسخہ احمد آباد میں اور دوسرا آصفیہ میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۱۳۹-۱۴۳)

سولہویں صدی کے اس گجراتی عالم دین کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہیں، آپ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) سے تعلق رکھتے ہیں جس میں گجرات میں خصوصاً علوم دینیہ کی خوب ترقی ہوئی تھی اور کثرت سے علماء دین نے تالیفات چھوڑی ہیں، کتاب خانۂ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں آپ کے دو رسالوں کے قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں جن میں سے ایک "رسالہ در باب سماع" ہے۔ اس میں سماع الغنی کے موضوع پر عربی میں بحث ملتی ہے۔ اس میں قاضی عیسی کی تاریخ ولادت ۲۰ ربیع الاول ۹۱۵ھ (۸ جولائی ۱۵۰۹ء) اور تاریخ وفات ۱۰ ربیع الاول ۹۸۲ھ (۳۰ جولائی ۱۵۷۴ء) بتائی گئی ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات:

رفت عیسی قاضی از عالم — برد با خویش نام استادی

سال تاریخش از قضا جستم   گفت قاضی احمد آبادی

(۳۴) سیدی سعید سلطانیؒ (وفات: ۳/شوال المکرم ۹۸۴ھ مطابق ۲۳/دسمبر ۱۵۷۶ء)

صاحب ''النور السافر'' لکھتے ہیں کہ ۳/شوال المکرم ۹۸۴ھ مطابق ۲۳/دسمبر ۱۵۷۶ھ پیر کے روز سیدی سعید سلطانی حبشی کا احمد آباد میں انتقال ہوا، جو حنفی المذہب تھے، اور بہت کٹر قسم کے بڑے فقیہ اور جملہ علوم کے ماہر تھے، قرآن کریم کے بھی حافظ تھے، اور بہت زیادہ عبادت گذار تھے، اس درجہ تک کہ رمضان میں پانچ ختم فرماتے تھے۔

مولان ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ سیدی سعید کی ولادت غالباً حبشہ میں ہوئی، اور وہاں سے غالباً یمن میں آکر ترکوں کی فوج میں داخل ہوئے، اور پھر مصطفی رومی خان کے ساتھ گجرات آئے، رومی خان کے چلے جانے کے بعد جہاں اور ترکی اور حبشی ملازم ہوئے، سعید بھی ملازم ہو گئے، آخر میں ترقی کر کے سلطان محمود کے مقرب ملازموں کے زمرہ میں شامل ہو گئے، اس لئے ان کو سیدی سعید سلطانی کہتے ہیں۔

وہ زیادہ تر علم وفضل والوں کے ساتھ صحبت رکھتے، ان کی مجلس میں بہترین آدمی جمع ہوتے، اور انہی اصحاب فضل وکمال سے انہوں نے مختلف علوم وفنون حاصل کئے، ان کے علم نوازی ہی کا نتیجہ تھا کہ شیخ حمید بن قاضی عبداللہ سندھی محدث وقت نے جامع حمیدی کی تبویب ختم کی تو اس وقت سعیدی کے نام پر معنون کیا، اور اس کا نام جامع سعیدی فی تبویب الحمیدی رکھا۔

کتب خانہ: انہی بزرگوں کے فیض صحبت سے آپ کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بڑی کوشش سے ایک کتب خانہ قائم کیا، شہر میں جس قدر کتابیں مل سکیں وہ سب جمع کیں، پھر کتابوں کے اکٹھا کرنے کے لئے ایک جہاز ٹھیک کر کے مصر روانہ کیا، اور اس کے ناخدا خواجہ سلامۃ اللہ شاطر مغربی کو ایک فہرست دی کہ اس کے مطابق کتابیں خرید کر اور اس جہاز پر لاد کر لائیں۔

یہ جہاز کتابیں لے کر گھوگھ بندر (کاٹھیاواڑ) پہنچا، تو بدقسمتی سے طوفان کی زد میں آگیا، اور جہاز نے کروٹ لے لی، جس کی وجہ سے کتابیں ضائع ہو گئیں، ان میں سے جو بچ سکیں وہ کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں۔

اکبر بادشاہ نے احمد آباد فتح کیا تو اس کے تیسرے سال حکومت کی طرف سے امیر حج بنا کر بھیجے گئے، حج سے واپس آئے تو ۳/شوال المکرم ۹۸۴ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۵۷۶ء دوشنبہ کے دن احمد آباد میں ان کا انتقال ہو گیا، اور اسی مسجد میں- جو آپ نے بنوائی تھی- دفن کیا گیا۔ (ظفر الوالہ: ص: ۱۵۴، ج: ۲، النور السافر: ۳۲۰)

(۳۵) علامہ قطب الدین نہروالی (۲۶/ربیع الثانی ۹۹۰ھ)

گجرات کا علاقہ چوں کہ عرب کے قریب واقع ہوا ہے، بحر عرب اور خلیج عمان کے سوا اور کوئی علاقہ حائل نہیں ہے، اس لئے گجرات کے شہروں میں آمد ورفت کثرت سے رہتی تھی، خصوصا اشاعت اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام اور علم پرور سلاطین کے سبب بہت سے عرب خاندان گجرات آکر بس گئے۔

گجرات کے اس خطے میں نہروالہ (جو آج کل پٹن کے نام سے مشہور ہے) بھی ہے، ہندوستانی تاریخ کی بعض کتابوں میں اسے انہل واڑہ لکھا گیا ہے، نہروالہ کی سرزمین بہت مردم خیز واقع ہوئی، یہاں اکابر علماء مشائخ اور اصحاب طریقت مقیم رہے۔

قطبی خاندان گجرات میں :

تقریبا ساتویں صدی ہجری میں عدن کے باشندوں میں سے ایک عالم گجرات آئے، جن کا اسم گرامی محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن

عمر بن محمد تھا، انہوں نے نہروالا (موجودہ پٹن) کو اپنا وطن بنایا، پورے علاقہ میں ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا شہرہ تھا۔

ان کے بعد ان کے خاندان کے دوسرے افراد بھی ہجرت کر کے گجرات آنے لگے، ان میں سے ایک شخص علاء الدین ابوالعباس احمد بن شمس الدین محمد بن قاضی خان بہاء الدین محمد بن یعقوب بن حسن بن علی بن محمد العدن رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، ان کی ولادت ۸۷۱ھ میں نہروالہ میں ہی ہوئی۔

اسی طرح شیخ محمد بن شیخ احمد کی ولادت بھی ہندوستان میں ہوئی اور وہ بھی اپنے والد کی طرح نہروالی سے مشہور ہوئے، ان کی ولادت ۹۱۷ھ میں مقام لاہور میں ہوئی، جیسا کہ انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے۔

ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ یہ حجاز کب گئے، البتہ علامہ سخاویؒ و دیگر مؤرخین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندان نہروالا میں رہا، مگر ان کے خاندان کے بعض افراد مختلف زمانوں میں ہجرت کرتے رہے۔

ولادت و نام و نسب: علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۱۷ھ میں ہوئی۔ علامہ عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الشیخ العالم محمد بن احمد بن محمد بن محمود الحنفی النهروالی المفتی قطب الدین المکی صاحب الاعلام باعلام بیت الله الحرام، کان من العلماء المبرزین فی الحدیث والفقه والأصلین والانشاء والشعر، ولد بلاهور سنة سبع عشرة وتسع مائة واشتغل علی والده بالعلم الخ۔۔۔

صاحب معجم المصنفین بھی ان کا تذکرہ فرماتے ہیں:

محمد بن احمد بن محمد بن محمود النهروالی الهندی المکی الحنفی قطب الدین مؤرخ فقیه مفسر عالم بالعربیة ناظم من تصانیفه البرق الیمانی الاعلام باعلام بیت الله الحرام، طبقات الحنفیة ومناسک الحج۔ (معجم المؤلفین عمر رضا کحالۃ: ۹/۱۷،۱۸)

علامہ خیرالدین زرکلی رحمۃ اللہ علیہ نے سن ولادت کا ذکر نہیں کیا اور سن وفات بھی ۹۸۸ھ لکھی ہے، مگر زیادہ تر تذکرہ نگار ۹۹۰ھ میں وفات لکھتے ہیں۔ (الاعلام لخیرالدین الزرکلی ج:۲،ص:۲۳۴)

بعض مصنفین نے ان کی نسبت النہروانی لکھی ہے، حالانکہ صحیح النہروالی ہے، (لام کے ساتھ) نہروان گجرات میں نہیں ہے۔ (معجم البلدان: ج:۵،ص:۳۲۴،۳۲۷) نہروالا جس کو انہل واڑہ کہا جاتا تھا، گجرات ہندوستان میں ہے، جو آج کل پٹن سے مشہور ہے۔

علامہ قطبی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم: ان کے والد کا شمار بڑے حنفی علماء میں ہوتا تھا اور گجرات کی اسلامی حکومت میں سلطان محمود شاہ ۸۶۳ھ-۹۱۶ھ کے دور میں منصب قضاء پر فائز تھے، علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد مکرم سے علم حاصل کیا، نہروالا سفر کرنے سے پہلے انہوں نے فارسی زبان سیکھی اور اس میں اتنی قابلیت پیدا کی کہ فارسی اشعار کہنے لگے اور بعض کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔

ان کے مکہ مکرمہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں ترکی سلطان کا حجاز پر غلبہ ہو چکا تھا، سلطان امیر الحج کی حیثیت سے اپنے بعض نمائندوں کو مکہ مکرمہ بھیجتے تھے اور فوجی قائدین بھی مکہ آتے رہتے تھے، علامہ قطبی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے ساتھ روابط ہونے لگے، تو انہوں نے ترکی زبان بھی سیکھ لی اور اس میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ ترکی زبان میں شعر گوئی اور تصنیف و ترجمہ پر قادر ہو گئے اور ترکی کے دو مرتبہ سفر کرنے کے سبب اس میں مزید پختگی پیدا ہو گئی؛ بلکہ علامہ جب مصر میں بغرض تعلیم مقیم تھے تو وہاں بھی ترکی زبان میں علم کے

حصول میں مدد ملی ہوگی، اس لئے کہ اس زمانہ میں مصر میں عثمانی حکومت ہی کا دور تھا۔

ان کی عربی تعلیم کا سلسلہ اس طرح ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی اپنے والد مکرم سے حاصل کیا اور مکہ مکرمہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں پہنچے؛ کیوں کہ ان کی عمر ابھی پندرہ سال سے بھی کم تھی کہ یہ سفر ہوا تھا، مکہ مکرمہ میں بعض مشاہر علماء سے شرف تلمذ حاصل ہوا، مثلاً شیخ محب الدین محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن محمد بن نہد الہاشمی المکی رحمۃ اللہ علیہ، جو مکہ کے مشہور مؤرخ تھے، نیز شیخ محب الدین احمد بن محمد النویری العقیلی رحمۃ اللہ علیہ جو مسجد حرام کے خطیب تھے، ان کے علاوہ دیگر علماء سے بھی استفادہ فرمایا، علاوہ ازیں مؤرخ یمن شیخ عبدالرحمن جو صاحب تصانیف عالم تھے؛ ان کے اساتذہ میں ہے۔

پھر ۶۱۲ھ میں جب کہ آپ کی عمر چھبیس سال کے قریب ہوئی تو طلب علم کے لئے مصر روانہ ہوئے، اس دور میں مصر علماء وفضلاء سے بھرا پڑا تھا اور وہاں بڑے بڑے مشائخ کے چشمۂ فیض جاری تھے، علامہ قطبی کے الفاظ میں **كانت مصر مشحونة بالعلماء العظام مملوئة بالفضلاء الفخام ميمونة بيمن بركات المشائخ الكرام كأنها عروس تتهادى بين اقمار وشموس،** مصر بڑے بڑے علماء اور نامور فضلاء سے بھرا ہوا تھا اور بڑے بڑے مشائخ کی برکتوں سے معمور تھا، گویا کہ مصر ایک دلہن تھی، جو چاند اور سورج کے درمیان چل رہی تھی۔

مصر میں انہوں نے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا، ان کے اساتذہ میں شیخ عبدالحق السنباطیؒ، شیخ محمد تونسی، شیخ ناصر الدین اللقانیؒ وغیرہ ہیں اور مشائخ میں شہاب الدین احمد بن موسی بن عبدالغفار المغربی ثم المصری نزیل حرمین شریفین، (ان کے والد سلطان غوری کے دیوان میں ارباب قلم میں تھے) شیخ احمد نے قہوہ کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، الجزیری حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جس کا اختصار بھی کیا تھا۔

شیخ قطبی رحمۃ اللہ علیہ ۹۶۴ھ میں ترکی کے سفر کے درمیان ملک شام سے بھی گزرے ہیں اور وہاں کے مشاہر علماء سے ملاقات کر کے استفادہ کیا، ان میں شیخ الاسلام الغزی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، ان سے پہلے مکہ میں کسب فیض کیا اور پھر شام میں بھی استفادہ کیا، ان کے علاوہ علاء الدین بن عماد الدین اور قاضی کمال الدین الحمزاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بھی فائدہ اٹھایا۔

اس طرح استنبول میں بہت سے ترکی علماء سے ملاقات کر کے استفادہ فرمایا، فارسی، ترکی اور عربی زبانوں میں مہارت اور مختلف ممالک کے مشاہر علماء سے استفادہ کے سبب علامہ قطبی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت میں کافی گہرائی اور ثقافت وسیع ہوگئی تھی اور وہ علم میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کی طرف نظریں اٹھنے لگیں، دینی علوم میں کمال کے سبب ان کو مکہ مکرمہ میں منصب افتاء سپرد ہوا اور بالآخر وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، ان خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے مکہ مکرمہ کی ایک ایسی تاریخ لکھی جو آج ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں جو آپ کی وسعت علم اور گہری معرفت کی شہادت دے رہی ہیں، ترکی زبان کی واقفیت کے سبب اس عہد کے ترکی حکام کے ہاں بھی ان کو بلند مرتبہ حاصل تھا اور انہوں نے بعض ترکی کتابوں کا عربی ترجمہ بھی کیا، مثلاً ترکوں کے یمن فتح کرنے کی تاریخ عربی میں منتقل کی، یہ کتاب فاتح یمن سنان پاشا نے ان کی خدمت میں پیش کی تھی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عربی ترجمہ کیا؛ بلکہ اس میں مفید معلومات کا اضافہ بھی فرمایا، اسی طرح ترکی وزیر لطفی پاشاؒ نے شرح الفقہ الاکبر کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا، تو علامہ قطبی نے پہلے اس کا عربی ترجمہ کیا اور پھر وزیر موصوف کی خواہش پر اس کو فارسی زبان میں منتقل کیا، وزیر موصوف بہت خوش ہوئے اور شیخ

کے ساتھ انعام واحسان کا معاملہ فرمایا۔

ان کے یہ تصنیفی اور تالیفی نقوش ان کے علمی مقام ومرتبہ کا پتہ دے رہے ہیں، نیز شیخ نے ان کتابوں کے ذریعہ اپنے دور کے طلبہ وعلماء اور حکام کی علمی پیاس بجھانے کی کوشش کی ہے۔

بیرونی اسفار: مصر کے اسفار: علامہ قطب الدین نے مصر کے متعدد سفر فرمائے، سب سے پہلا سفر گجرات کے وزیر عمدۃ الملک کے ساتھ ۹۴۴ھ میں ہوا، پھر دوبارہ بغرض تعلیم مصر تشریف لاکر مقیم رہے، اس کے بعد ۹۵۴ھ میں سفر ہوا، پھر رمضان المبارک ۹۶۵ھ میں قسطنطنیہ سے واپسی میں چند روز تشریف لائے اور حاجیوں کے قافلے کے ساتھ ساحلی راستہ سے ۳/ذوالحجۃ الحرام کو مکہ مکرمہ واپسی ہوئی۔

شام کے اسفار: اسی طرح ملک شام کے بھی چند سفر ہوئے، ۹۶۵ھ میں قسطنطنیہ جاتے ہوئے ۱۶/محرم الحرام کو مدینہ منورہ سے عازم سفر ہوئے اور ۱۵/صفر المظفر کو دمشق پہنچے، ۱۲/ربیع الاول تک دمشق میں قیام رہا، اس مدت میں وہاں کے علماء اور مشاہیر ادباء سے ملاقاتیں رہیں۔

۱۶/ربیع الاول کو حمص میں وارد ہوئے، دو روز قیام فرماکر علماء، مشائخ وادباء سے ملاقاتیں فرمائیں، پھر وہاں سے حلب کا رخ کیا، وہاں علماء وادباء سے ملے، وہاں ان کا بہت اعزاز واکرام ہوا۔

علامہ قطبی جس شہر میں بھی تشریف لے جاتے وہاں کے علماء وادباء سے ملاقات فرماتے، ان کے ساتھ علمی مذاکرہ ہوتا اور ادباء کے ساتھ شعری نشستیں ہوتیں۔

تالیفات: علامہ قطب الدین نے مذہب، ادب اور تاریخ وغیرہ مختلف موضوعات اور فنون کی کتابیں تالیف فرمائی تھیں، ان میں سے کچھ دستیاب ہیں اور بعض ناپید ہوچکی ہیں، بعض تالیفات اور رسائل تو ان کی زندگی میں ہی آگ میں جل کر خاکستر ہوگئے تھے۔

(۱) الاعلام بأعلام بيت الله الحرام۔

یہ کتاب مکہ مکرمہ کی تاریخ ہے، اس کے اخیری صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سلطان مراد بن سلیم کے زمانہ میں لکھی گئی ہے، (۹۸۲-۱۰۰۳ھ) اگرچہ کتاب مکہ مکرمہ کی تاریخ ہے، مگر اخیری قسم میں سلاطین عثمانیہ کی مفصل تاریخ ابتداء سے سلطان مراد تک لکھ دی گئی ہے۔

(۲) البرق اليماني في الفتح العثماني۔

(۳) تاريخ مرتب على سنين۔

(۴) تذكرة النهروالي۔

اس کتاب کے بارے میں سید محمد بن عبداللہ حسنی معروف بکبریت نے اشارہ فرمایا ہے، ''وله تذكرة جامعة''۔

متقدمین کے نزدیک ''تذکرہ'' وہ کتاب ہوتی تھی، جس میں کوئی عالم اہم اور ضروری باتیں لکھ دیتے تھے، جس کو ضرورت کے وقت دیکھا جائے اور اس کی طرف رجوع ہوسکے۔

علامہ قطب الدین کا تذکرہ ان کے قلم سے لکھا ہوا موجود ہے، اس تذکرہ میں ان کے مدینہ منورہ کے متعدد سفر، استنبول کا سفر وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے، اس کے علاوہ اس میں بہت سے تاریخی واقعات اور ان کے عربی فارسی قصائد، نیز دیگر شعراء کے اچھے قصائد جمع کردیئے

ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے پاس ایک بڑا دفتر تھا، جس میں وقتاً فوقتاً نوادرات ومعلومات بغیر ترتیب کے لکھتے تھے۔

(۵) التمثيل و المحاضرة بالابيات المفردة النادرة:

یہ ادب کی کتاب ہے، خطیب اور مقرر کو جن ابیات کی ضرورت پیش آتی ہے اور علمی مجالس میں جن اشعار سے استشہاد کیا جاتا ہے، ایسے اشعار عرب شعراء کے دیوانوں سے منتخب کر کے جمع کر دیئے ہیں، اس کتاب کا نام ''تمثال الامثال النادرة'' بھی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۰۶۳ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کے حاشیہ پر بعض تعلیقات ہیں، دار الکتاب المصریہ میں موجود ہے۔

(۶) الجامع لكتب السنة الستة في الحديث۔

علامہ شریف ابو محمد مصطفی بن سنان بن احمد ہاشمی، جو حنابی سے مشہور ہیں؛ انہوں نے اپنی کتاب تاریخ الحنابی میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۷) زيادات على دستور الاعلام:

اصل کتاب ابن عَزَم مغربی تونسی کی ہے، جس میں علامہ قطب الدین نے کچھ اضافے کئے ہیں، اس کا ایک نسخہ حرم مکی کے مکتبہ میں اور دوسرا استنبول میں موجود ہے۔

(۸) طبقات الحنفية:

علامہ نے حنفی علماء کے حالات میں یہ کتاب لکھی تھی، یہ کتاب آگ میں جل گئی، جیسا کہ مصنف ''الکواکب السائرۃ'' نے لکھا ہے، تاریخ الحنابی میں لکھا ہے کہ یہ کتاب چار جلدوں میں تھی۔

(۹) الفتوحات العثمانية للأقطار اليمانية:

ترکی سلطنت نے یمن کی فتح کے لئے جو فوج کشی کی تھی اس کا تذکرہ علامہ نے اس کتاب میں کیا ہے، اس کو لکھ کر سلطان سلیم خان کی خدمت میں پیش کی تھی، پھر اس کا نام تبدیل کر کے البرق اليماني في الفتح العثماني رکھ دیا، اس کتاب کا عمدہ نسخہ ۹۷۶ھ کا مصنف کی حیات میں لکھا ہوا ''ویانا'' کی پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

(۱۰) الفوائد السنية في رحلة المدينة و الرومية:

یہ کتاب علامہ کی اہم تالیفات میں شمار کی جاتی ہے، اس میں مختلف ومتنوع معلومات ہے اور علم ومعرفت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، مختلف شہروں اور مقامات کا تذکرہ اور مؤلف کے مشاہدات درج ہیں، اسی طرح مختلف شہروں کے علماء، ادباء اور ان کے آثار کا تذکرہ کیا گیا ہے، ۹۶۵ھ کے ترکی کے سفر کے دوران یہ کتاب لکھی گئی ہے، ایک صفحہ میں تقریباً ۳۵/سطریں باریک فارسی رسم الخط میں ہے اور نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

(۱۱) كنز الذكاء في فن العمى:

یہ بھی ادبی کتاب ہے، اس کتاب کے نسخے اسکوریال، برلن اور جامعۃ الحکمہ بغداد (عراق) کے کتب خانہ میں ہے۔

(۱۲) معيار المريدين:

اس کتاب کا ایک نسخہ مکتبہ الفاتح استنبول میں ہے، یہ کتاب ۴۵/صفحات میں ہے، ہر صفحہ ۱۵/سطروں پر مشتمل ہے اور بہترین خط نسخ

میں موجود ہے۔

(۱۳) مناسک الحج:

علامہ نے مناسک حج کے موضوع پر یہ کتاب تالیف فرمائی ہے، ان کے علاوہ ان کی دیگر تالیفات عربی اور فارسی زبان میں ہے۔

وفات: عبدالملک عصامی، جو مکہ مکرمہ کے مؤرخ ہیں اور دیگر مؤرخین نے آپ کی تاریخ وفات بروز ہفتہ بوقت اذان فجر بتاریخ ۲۶/ربیع الثانی ۹۹۰ھ لکھی ہے، بعض مکی فضلاء نے **قدمات قطب الدین اجل علماء مکہ** سے نکالی ہے، جس سے ایک سال زائد معلوم ہوتا ہے، اس لئے بعض لوگوں نے سن وفات ۹۹۱ھ شمار کیا ہے۔ (علامہ قطب الدین نہروالی مختصر حالات وخدمات: ص: ۵-۲۴، ط: مجلس معارف کاپودرا)

(۳۶) قاضی صدرالدین لاہوریؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء)

بڑے محقق کثیر المطالعہ عالم تھے، اہل علم کے لیے کشادہ ظرف تھے، کثرت سے روتے تھے، شاہ تیمور نے بھروچ میں منصب قضاء پر فائز کیا تھا، کھروچ میں انتقال ہوا۔

(۳۷) مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوریؒ (وفات: ۹۹۱ھ مطابق ۲۳/دسمبر ۱۵۸۳ء)

عالم کبیر عبداللہ ابن شمس الدین انصاری سلطان پوری مشہور بہ مخدوم الملک کا وطن ٹھٹھ صوبہ سندھ ہے، جہاں سے ان کے دادا نے ترک اقامت کے بعد جالندھر طرح میں اقامت ڈالی، شیخ عبداللہ کا مولد سلطان پور صوبہ پنجاب ہے۔

سلطان پور ہمایوں نے آپ کو شیخ الاسلام کی سند پر فائز فرمایا، سلطان ہمایوں کے بعد سلطان اکبر نے بھی آپ کے لئے یہ منصب برقرار رکھا، سلطان شیر شاہ نے آپ کو صدرالاسلام کا خطاب دیا تھا، اکبر نے مخدوم الملک کا خطاب دیا اور آپ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ پیش کرتا، کئی سال تک یہی سلسلہ رہا۔

پھر جب مبارک ابن خضر ناگوری نے اکبر کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ آپ تو خود مجتہد ہیں، آپ کو کسی صدر اور قاضی کی تقلید ضروری نہیں، تو اکبر نے مخدوم الملک کو حجاز روانہ کر دیا، شیخ عبداللہ جب مکہ مکرمہ کے سرائے میں داخل ہوئے تو شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی آپ کی تعظیم کے لئے آگے بڑھے، حجاز سے واپسی ۱۵۸۲ء ۹۹۰ھ میں آپ احمد آباد پہنچے۔

بدایونی لکھتے ہیں کہ آپ فقہ، تاریخ، حدیث بلکہ جملہ علوم نقلیہ میں متبحر اور اہل بدعت خصوصاً شیعیت کے خلاف شدید متعصب تھے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: کشف الغمہ، منہاج الدین، عصمت الانبیاء، شرح العقیدہ الحافظیہ، رسالہ فی تفضیل العقل علی العلم، فقہ میں رسالہ فی الصباح، شرحُ شرحِ الجامی، شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۹۹۱ھ میں احمد آباد میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ کا علمی پایہ: مقالات شیرانی میں ہے کہ آپ عہد اکبری کے مشہور عالم ہیں، انہوں نے دہلی میں مولانا ابراہیم بن معین حسینی ایرجی سے حدیث پڑھی تھی، شیخ مبارک جیسے ملاحدہ کے زیر اثر اکبر نے ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء میں انہیں حرمین بھیج دیا، تو وہاں کے علماء نے -- جن میں ابن حجر ہیثمی بھی شامل تھے -- ان کا بڑی عزت واحترام کے ساتھ استقبال کیا، بدایونی نے لکھا ہے کہ یہ فقہ، اصول، حدیث وغیرہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے سردار شمار ہوتے تھے۔ (دربار اکبری: ص: ۳۱۸، گلزار ابرار: ص: ۴۹۵، نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۳۴)

(۳۸) شہاب الدین العباسی (م ۹۹۲ھ، ۱۵۸۴ء)

نامور مصری نحوی الدمامینی کی طرح ایک اور مصری دانشور شیخ شہاب الدین احمد بن بدرالدین عباسی المصری الشافعی بھی گجرات میں آئے تھے، آپ کی ولادت (۹۰۳ھ/ ۱۴۹۷ء) میں ہوئی تھی اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری، شیخ برہان الدین بن ابو یوسف، شیخ نورالدین المحلی، شیخ کمال الدین الطویل، شیخ زین الدین الغزی اور شیخ نورالدین المالکی جیسے اکابر علماء سے تعلیم حاصل کی تھی۔

(۹۳۶ھ/ ۱۵۲۹ء) میں آپ کی ملاقات زبید (یمن) میں ابوالعباس طبندا وی البکری سے ہوئی اور ان سے بھی مزید تعلیمات حاصل کی، آپ کو علم حدیث پر جو عبور حاصل تھا، اس کے علاوہ علم الحروف، علم نجوم اور المیقات میں بھی کمال رکھتے تھے، آپ نے شاعری بھی کی تھی، النور السافر میں آپ کے جو ابیات نقل ہوئے ہیں وہ شعر میں علم النجوم اور سائنس کے خیالات پر ولینے کی آپ کی قابلیت کے مظہر ہیں، آپ نے ۴ /صفر ۹۹۲، ۱۵۸۴ء کو احمد آباد میں وفات پائی، النور السافر کے مصنف نے آپ کی مندرجۂ ذیل کتابوں کے نام دیئے ہیں، البتہ ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔

(۱) شرح الشاطبیه

(۲) شرح المنهاج

(۳) شرح علی مختصر ابو شجاع

(۴) شرح الاجرومیه

(۵) شرح العمده

(۶) شرح الاربعین

یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نویس نے مندرجۂ بالا جن کتابوں کو شہاب الدین کی تصانیف بتایا ہے، ان کے بارے میں النور السافر میں مندرج ہے کہ وہ سب شہاب الدین کو حفظ تھی، النور السافر (اردو ترجمہ ص:۳۰۸) کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے: ''علامہ شہاب الدین مصری'' نے فقہ میں ''منهاج نووی''، قرأت میں ''شاطبیه'' اور حدیث میں مقدسی کی ''العمده'' حفظ کی تھی، اس کے علاوہ اربعین نووی، الاجرومیه، مختصر ابو شجاع یاد تھیں، النور السافر (عربی) کی جدید اشاعت میں یہ الفاظ ہیں: ومن محفوظاته ''المنهاج والشاطبیه۔۔۔''

(۳۹) شیخ محمد بن احمد فاکہی ؒ (وفات: ۲۱/ جمادی الاولی ۹۹۲ھ مطابق ۱۵۸۴ء)

شیخ ابوالسعادات محمد بن احمد بن علی فاکہی مکی حنبلی:

آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ۹۲۳ھ میں ہوئی، جمیع علوم میں یدطولی حاصل تھا، آپ کے اساتذہ میں علامہ ابوالحسن بکری، شیخ الاسلام ابن حجر ہیثمی اور شیخ محمد خطاب قابل ذکر ہیں، یہ سب مکہ مکرمہ کے زبردست علماء میں سے تھے، ان حضرات کے علاوہ حضرموت اور زبید کے علماء سے بھی استفادہ کیا، حضرمی نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے جن حضرات سے اکتساب کیا ہے ان کی تعداد نوے سے زیادہ ہیں۔ (النور السافر: ص: ۳۶۳)

اِشتغال بالعلم کا عالم یہ تھا کہ اربعین نوویہ، عقائد نسفیہ، المقنع درفقہ حنبلیہ، جمع الجوامع، الفیہ ابن مالک، تلخیص المفتاح، شاطبیہ درقرأت،

نورالسعید لابن سید الناس ، یہ ساری کتابیں ازبر یاد تھیں،قرآن مجید کے بھی حافظ تھے، اورسبعہ قرآن کی تلاوت کرتے۔ (النورالسافر: ص: ۳۶۳،نزہۃ الخواطر: ۲۸۳)

نام ونسب اورولادت: آپ کااسم گرامی ونسب اس طرح ہے: محمد بن احمد بن علی حنبلی فاکہی مکی ابوالسعادات گجراتی ،آپ کاسن ولادت ۹۲۳ھ ہے۔

حصول علم اوراساتذہ: آپ کوتمام علوم میں مہارت حاصل تھی اور چاروں مسالک کاعلم رکھتے تھے،علامہ ابوالحسن بکری، شیخ الاسلام ابن حجر ہیثمی اور شیخ محمد الحطاب آپ کے شیوخ ہیں، ان کے علاوہ مکہ،حضرموت اورزبید کے علماء سے بھی حصول علم کیا، کہتے ہیں کہ آپ کو اجازت دینے والے اساتذہ کی تعداد ۹۰ رسے بھی اوپر ہیں۔

الاربعین للنووی ،عقائدنسفی ،فقہ حنبلی کی المقنع ،اصول فقہ کی جمع الجوامع ،الفیہ ابن مالک نحومیں، تلخیص المفتاح معانی وبیان میں ، قرأت میں شاطبیہ،سیر میں ابن سیدالناس کی نورالعیون ازبرتھیں،قرآن مجید سبع قرأت سے حفظ کیا تھا،نظم ونثر دونوں میں آپ کومہارت تھی۔

تصانیف: کئی ایک مفیدرسالے آپ نے نظم ونثر میں لکھے،انہیں میں سے ایک رسالہ آیت الکرسی پرلکھا جو بہت ہی مفید ہے،اس کے علاوہ فقہ شافعی میں نورالابصارشرح مختصرالانوار، ایک رسالہ لغت میں اورایک جلیل القدر کتاب جوسلاطین میں سے کسی سے منسوب ہے،اپنے زمانہ میں مذکورہ کتابوں کو بڑی پزیرائی حاصل ہوئی۔

اوصاف حمیدہ: طبیعت میں سخاوت اورفیاضی تھی، چنانچہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم نے ان سے زیادہ سخی نہیں دیکھا،کسی کاقول ہے کہ میں سمجھتاہوں کہ وارد ہندوستان ہونے والے اشراف عرب میں ہرایک پران کا کچھ نہ کچھ احسان ہے،ان کی عادت تھی کہ روپیہ پیسہ اپنے پاس روکے نہ رکھتے تھے،اس لئے قرض لینے کی نوبت آتی تھی ،مزاج میں گرمی تھی، اپنے اصحاب کے ساتھ اتنی تواضع سے پیش آتے تھے کہ خوشامد کی حد کوپہنچتی تھی،سادات آل باعلوی سے حددرجہ عقیدت رکھتے تھے،ان حضرات سے ملاقات کی غرض سے حضرموت کاسفرکیااوران کے اکابر سے ملاقات کرکے حصول برکت کیا،ان سے یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا کہ اللہ سے انس،نورکامل ہےاورلوگوں سے انس سم قاتل ہے۔

گجرات میں آپ کی آمد: آپ کی گجرات میں ۲رمرتبہ تشریف آوری ہوئی،پہلی مرتبہ آپ کی آمد ہوئی توایک طویل مدت تک مقیم رہے، لیکن یہ تشریف آوری کب ہوئی،اس کا تذکرہ نہیں ملتا،البتہ ۹۵۷ھ سے پہلے آئے تھےاور پھر ۹۵۷ھ میں اپنے وطن مکہ مکرمہ لوٹ گئے۔

اسی سال آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ، پھرمدینۃ المنورہ پہنچ کرزیارت سے مشرف ہوئے ، پھراس کے بعد والے سال دوسراحج کیا۔

۹۶۰ھ میں یہاں تشریف لائے اورتاحین حیات گجرات ہی میں رہےاوراحمدآباد ٹھہرے، پھر ۹۶۳ھ میں سورت چلے گئے اورمحبوب حسین عباسی صاحب کے بقول وفات تک وہیں رہے۔

وفات: آپ کی وفات ۲۱رجمادی الاولیٰ بروز جمعہ ۹۹۲ھ میں ہوئی ،صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول وفات احمدآباد میں ہوئی اوروہیں مدفون ہوئے۔(نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۵۲-۲۵۴،النورالسافر:۳۰۹، ۳۱۰، گجرات کے علماءحدیث وتفسیر:ص:۳۲، ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں: ۳۱۳)

(۴۰) شہاب الدین احمد بن بدرالدین مصری (وفات: ۴ررمضان المبارک ۹۹۲ھ)

عرب سے گجرات میں تشریف لاکر لوگوں کی علمی پیاس بجھانے اور نور اصلاح وہدایت کو جلا بخشنے والوں میں سے ایک شہاب الدین احمد مصری ہیں، یہ دسویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔

نام ونسب اور ولادت: آپ کا نام: احمد بن بدرالدین عباسی مصری، لقب: شہاب الدین اور مسلکاً شافعی ہیں، ۹۰۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔

حصول علم اور اساتذہ: جب حصول علم کی عمر کو پہنچ گئے تو اپنے زمانہ کے علماء وشیوخ سے اخذ علم کیا، ان میں سے شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ برہان الدین بن ابوشریف، شیخ نورالدین مکی، شیخ کمال الدین طویل، شیخ زین الدین غزی اور شیخ نورالدین ملتجی ہیں؛ نیز آپ نے ۹۶۳ھ میں شیخ ابوالعباس طبندا وی بکری سے زبید میں اخذ علم کیا۔

فقہ میں نووی کی منہاج، قرأت میں شاطبیہ، حدیث میں مقدسی کی العمدہ حفظ کی تھیں، اس کے علاوہ اربعین نووی، الاجرومیہ (فی النحو) اور مختصر ابوشجاع یاد تھیں۔

آپ صاحب تصانیف تھے، شاہان گجرات کے نام پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں، علم حرف وفلکیات اور میقات میں ید طولی حاصل تھا۔

اوصاف: نہایت ہی متقی وپرہیزگار تھے، لوگوں سے بہت کم اختلاط اور میل جول رکھتے تھے، کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے والے اور سلف صالحین کے طریقہ پر گامزن تھے۔

وفات: ۴ر صفر المظفر کی شب کو علامہ کا احمد آباد میں انتقال ہوا، بوقت وفات عمر قریب ۹۰ر سال تھی، اپنے شاگرد اور رفیق محمد بن عبدالرحیم عمودی کے مزار کے قریب تربت العرب میں دفن کئے گئے، استاذ شاگرد میں بیحد محبت تھی، گویا ایک جان دو قالب تھے۔ (النور السافر: ص: ۳۰۸، نزہۃ الخواطر: ج: ۴، ص: ۱۶، ۱۷، یاد ایام: ۴۷)

شیخ احمد مصری کی وفات احمد آباد میں ہوئی، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے آخری عمر گجرات میں ہی گزاری، ان کی گجرات آمد کب ہوئی؟ ان سے کن حضرات نے کسب فیض کیا، اس پر سوانح نگار حضرات نے روشنی نہیں ڈالی ہے، لیکن ۹-۱۰ر ویں صدی میں گجرات میں علم بام عروج پر تھا اور گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا اور علوم وفنون وخدمات حدیث میں وہ شیراز ویمن کا مماثل بن چکا تھا، اس لئے یقین کیا جاسکتا ہے کہ حضرت سے متعدد حضرات نے کسب فیض اور اخذ علم کیا ہوگا۔

شیخ عبدالقادر نے آپ کا تذکرہ ''النور السافر'' میں اس طرح کیا ہے کہ

آپ کا سال ولادت ۹۰۳ھ اور مولد مصر ہے، اور وہیں کے اساتذہ سے تحصیل علم کیا، من جملہ ان اساتذہ کے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری، شیخ علامہ بدرالدین بن ابوشریف، کمال الدین، شیخ زین الدین الغزی، شیخ نورالدین ملتجی ہیں۔

آپ کی کئی تصانیف ہیں: شرح المنہاج للنووی (درفقہ) شاطبیہ (قرأت) العمدۃ للمقدسی (الحدیث) الاربعین۔

آپ تقوی میں فائق تھے، اور قلیل الاختلاط تھے، شب جمعہ ۴ر رمضان المبارک ۹۹۲ھ کو احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے، آپ کی تاریخ وفات اور سن میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ سوانح نگاروں نے ماہ الگ الگ ذکر کئے ہیں، یعنی صفر اور رمضان المبارک۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۱۹، النور السافر: ۳۶۰)

(۴۱) مولانا شیخ رحمت اللہ سندھیؒ (وفات: ۹۹۴ھ مطابق ۱۵۸۶ء)

شیخ عالم کبیر، محدث رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری، سندھی، مہاجر مدنی دربیلہ سندھ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد قاضی عبداللہ سندھی سندھ سے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو چند دنوں تک احمد آباد میں قیام کیا، اسی زمانہ میں حضرت شیخ علی متقی گجرات میں مقیم تھے، اور حجاز مقدس کے لئے پابہ رکاب تھے، قاضی صاحب نے شیخ کی صحبت اختیار کرلی، اس سفر میں قاضی رحمت اللہ بھی ساتھ تھے۔

شیخ رحمت اللہ نے سفر سے واپسی پر ۹۷۷ھ میں بعض مجبوریوں کی بناء پر احمد آباد میں قیام فرمالیا، اور کئی سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے، آخر عمر میں مریض ہوئے اور اسی حالت میں دوبارہ حجاز روانہ ہوگئے، مکہ معظّمہ پہنچ کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۹۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ رحمت اللہ نے مناسک حج میں دو رسالے لکھے اور ان میں سے جو اہم اور ضخیم ہے اس کا نام ''**جمع المناسک ونفع الناسک**'' ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمد للہ الذی اکمل الحمد علی ماھدانا الاسلام.

اس کتاب کی شرح نورالدین علی بن سلطان محمد قادری ہروی نے ۱۰۱۲ھ میں کی ، اوراس کا نام ''**المسک المقسط فی النسک المتوسط**'' رکھا۔

دوسری تصنیف ''لباب المناسک'' ہے، اس کی شرح ملاعلی قاریؒ نے لکھی ہے، جس کا نام ''المسلک'' ہے، اس کا تذکرہ چلپی نے کشف الظنون میں کیا ہے، شیخ علی بن محمد الخطیب کی مشہور کتاب'' تنزیہ الشریعة عن الاحادیث الموضوعة'' کی تلخیص بھی موصوف نے کی ہے۔

شیخ رحمت اللہ سندھی کی تصنیف: **مجمع المناسک ونفع الناسک** (قاہرہ ۳/ ۲۷۰، سلیمانیہ) کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، اس کتاب میں انہوں نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ فقہ حنفی کی رو سے فریضۂ حج کے احکام اور مسائل بیان کئے ہیں، اس کتاب کی تصنیف سے وہ ۲۲ رصفر المظفر ۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۳ء میں فارغ ہوئے۔

اپنی کتاب کی اہمیت اور موضوع کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

لما کان الحج من اعظم الطاعات، تکثرت فی بابه المصنفات، غیر ان منها ما یمل ومنها ما یخل، وقد قصرت الهمم عن المطولات فهدانی ذلک ان اجمع کتابا وسطا ناقلا من الکتب المعتبرة المعتمدة.

چوں کہ حج بڑی عبادات میں سے ایک ہے، اوراس کے بارے میں بہت سی کتابیں موجود ہیں، لیکن ان کتابوں میں بعض ملال اور خلل سے خالی نہیں، پھر طویل کتابوں سے لوگوں کی ہمتیں بھی قاصر ہوگئی ہیں، سو اسی بات نے مجھے آمادہ کیا کہ ایک درمیانہ حجم کی ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں حج کے متعلق تمام معتبر اور معتمد علیہ کتابوں کا مواد نقل کردیا جائے۔

تیسری کتاب: **لباب المناسک وعباب المسالک**'' (معجم مخطوطات بانکی پور، ۱۷۶، آصفیہ: ۱/ ۱۱۰۲، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ۳۰۰)

آپ گجرات میں اخیر عمر میں بیمار رہنے لگے، اس لئے مکہ معظّمہ چلے گئے، اور ۹۹۴ھ ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۵ء ۱۵۸۶ء میں مکہ معظّمہ

میں انتقال فرمایا۔(النور السافر:۴۳۹،طبقات کبری:۲/۵۰۶)

(۴۲) علامہ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ (م ۹۹۸ھ ۱۵۹۰ء)

چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے کبار علماء سے علم حاصل کیا، کثیر التصانیف عالم ہیں، علم فقہ واصول میں یہ تصانیف ہیں:

(۱) حاشیة علی هداية الفقه للمرغيناني (۲) حاشية على شرح الوقايه (۳) حاشية على التلويح (۴) حاشية على اصول البزدوی (۶) حاشية على الشرح العضدي وعلى المختصر لابن الحاجب.

آپ کا مزار احمد آباد میں ہے۔(نزہۃ الخواطر:۴/۳۸۶،۳۸۶۵)(مشائخ احمد آباد،۱/۲۹۲)

(۴۳) قاضی جلال الدین ملتانیؒ (متوفی ۹۹۹ھ-۱۵۹۰ء)

شیخ فاضل کبیر قاضی حنفی ملتانی، یکے از علماء کبار، مولد شہر بھکر اور ملتان میں پروان چڑھے، آپ نے چند روز تک شیخ وجیہہ الدین احمد علوی احمد آبادیؒ کے درس میں بیٹھ کر دینی علوم حاصل کئے، اور فقر وتصوف کی چاشنی کا مزہ پایا، پھر دار السلطنت آگرہ تشریف لائے، یہاں شیخ جلال الدین ابن عبداللہ اکبر آبادی کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا، پھر کچھ عرصہ گمنامی میں رہے، پھر درس کا آغاز کیا، اور علمائے معاصرین میں آپ کے علم کی دھوم مچ گئی، قاضی کمال الدین یعقوب کردی کے بعد اکبر بادشاہ نے قضاء کا منصب آپ کے نام کر دیا، جب اکبر نے علماء سے آگرہ خالی کرایا تو آپ بیجاپور تشریف لے گئے، اس صوبہ کا حاکم آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔

اسی شہر میں آسودۂ لحد ہوئے، تاریخ وفات: ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ء ہے۔نور اللہ مرقدہ (گلزار ابرار:۴۰۹)

(۴۴) سید غضنفر بن جعفر نہروالی (م ۱۵۹۱)

سید غضنفر بن جعفر نہروالی (م ۱۵۹۱) گجرات میں نہروالہ پٹن کے باشندے سید غضنفر بن جعفر بھی اپنے ہم عصر مفتی بہاء الدین عبد الکریم کی طرح یہاں سے ہجرت کر کے حجاز میں بس گئے تھے۔آپ نے مکہ میں میر کلاں محدث اکبر آبادی جیسے جید عالم حدیث سے مشکاۃ المصابیح کا درس لیا تھا۔ملا علی قاری اس درس میں آپ کے ہم جماعت تھے۔سید غضنفر نے تعلیم سے فراغت کے بعد مکہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی تھی۔وہاں کے آپ کے تلامذہ میں شیخ احمد شہناوی، مفتی حرم شیخ عبدالرحمن اور شیخ عبدالقادر المکی کا شمار ہوتا ہے۔

(۴۵) شیخ پیر محمد گجراتی (م ۹۹۹ھ ۱۵۹۱ء)

فقیہ تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد میں سے ہیں۔(ایضا:۴/۶۶)

(۴۶) ملک محمود بن پیارو گجراتیؒ (م ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۲ء)

گجرات کے علم دوست بادشاہ تھے، آپ کے والد ماجد برہان پور میں وزیر تھے۔ كان جيد المشاركة في الفقه والحديث. احمد آباد میں مدفون ہیں۔(نزہۃ الخواطر:۴/۳۳۵)

(۴۷) شمعون بن محمد الغوری (م:۱۰/ویں صدی ہجری کے آخر میں)

ہمارے پاس الغوری کے بارے میں معلومات نہیں ہے، Ivanow کا کہنا ہے کہ وہ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں گزرے ہیں، شیخ عبدالرسول نے ان کی ایک تالیف "کتاب السوال والجواب" کا ذکر کیا ہے جو اسماعیل داودی فقہ کے بارے میں ہے اور

"المسائل الشمعونیه" بھی کہی جاتی ہے، اختلافی مسائل سے متعلق ان کی ایک اور تالیف "الاسترشاد" بھی ہے، دونوں کتابوں کا ذکر Ivanow نے کیا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۳۰۸)

(۴۸) قاضی محمود گجراتیؒ

مورپ (احمد آباد میں پیدا ہوئے، طویل عرصہ تک درس وتدریس میں مصروف رہے، فقیہ اور قاضی تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ۳۴۸/۴)

(۴۹) مفتی محمد اکبرؒ (دسویں صدی ہجری کے آخر میں)

شیخ فاضل علامہ محمد اکبر بن محمد شریف اپنے زمانہ کے ان علماء میں سے تھے، جو علوم حکمت وفلسفہ میں فائق تھے، آپ احمد آباد کے مسند افتاء پر بھی فائز رہے، شیخ محمد حسن صدیقی کے علاوہ دوسرے کئی علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، میرزاہد شرح المواقف پر آپ نے حاشیہ تحریر فرمایا۔

سن ہجری : ۱۰۰۱ تا ۱۱۰۰

(۵۰) شیخ عبدالوہاب متقی قدس سرہ (متوفی ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۹۲ء)

عبدالوہاب نام تھا، متقی لقب، والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا، اصل وطن مانڈو تھا، ان کے والد ہندوستان کے اکابر صوفیاء صلحاء سے تھے، نیز مانڈو کے امراء میں سے تھے، ترک وطن کر کے برہان پور آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ عبدالوہاب نے ابتدائی تعلیم برہان پور میں حاصل کی، بیس سال کی عمر میں سیاست اختیار کی، گجرات احمد آباد، سیلون ہوتے ہوئے مکہ معظّمہ پہونچے، اور شیخ علی متقی کی خدمت میں بارہ سال رہ کر علوم ومعرفت کا وافر حصہ حاصل کیا، چوں کہ آپ خوش نویس تھے، اس لئے شیخ علی متقی نے آپ سے اپنی تمام تصنیفات لکھوائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں ان کے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہوں گے، وہ ایک زندہ قاموس تھے، سب کچھ انہیں یاد تھا، فقہ، حدیث کا بھی یہی حال تھا، اور صرف ونحو اور ادب بھی کفایت سے زیادہ جانتے تھے، برسوں تک حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا۔ (اخبار الاخیار: ۲۶۵)

شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان کے ان عدیم المثال علماء حدیث وفقہ میں سے تھے، جنہوں نے مکہ مکرمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، اور اپنے تبحر علمی کا سکہ اہل حجاز ویمن، مصر وشام سے منوایا تھا۔

(۵۱) شیخ مبارک ناگوری

شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری، آپ قریشی النسل تھے، آپ کے آباء واجداد میں شیخ موسی یمن کے رہنے والے تھے، ۸۰۰ھ میں یمن سے نکل کر سستان میں مقیم ہو گئے تھے، آپ کے والد شیخ خضر بزرگوں کی زیارت کے ارادہ سے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان آئے، قصبہ ناگور میں چند بزرگوں کی موجودگی کے باعث اقامت اختیار کر لی، ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک تولد ہوئے، چار سال کی عمر سے تعلیم شروع ہوئی، چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے۔

احمد آباد پہنچ کر خطیب ابوالفضل گاذرونی اور مولانا عماد طارمی سے بھی استفادہ کیا، سلوک وتصوف میں بھی اعلی مقام حاصل کیا اور شیخ یوسف وشیخ عمر سے سلسلہ شطاریہ چشتیہ، سہروردیہ میں اجازت حاصل کی۔

۹۵۰ھ میں آگرہ پہنچے، اس وقت آپ کی عمر ۳۹؍سال تھی، میر رفیع الدین صفوی کی خانقاہ میں قیام کیا، شیخ چندن قریشی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا، پھر درس وتدریس میں لگ گئے، آپ چاروں ائمہ کے احکام سے واقف تھے، آپ کے درس میں ہر مذہب وملت کا آدمی شامل ہوتا۔

ملا بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ مبارک اپنے زمانہ کے بڑے کامل شخص تھے، صلاح وتوکل، زہد وتقوی میں فائق اقران تھے، ہمیشہ علوم دینیہ کے درس میں مشغول رہے، علم تصوف کو کمال درجہ پر پہنچایا تھا، شاطبی آپ کو زبانی یاد تھی، قرآن شریف دس قراءت کے ساتھ یاد تھا۔

صاحب اخبار الاصفیاء لکھتے ہیں کہ ان کے کتب خانہ میں پانچ سو ضخیم کتابیں خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی موجود تھیں، آپ کی ایک تصنیف ہے، جس کا نام بدایونی اور طبقات کے مطابق: **مبلغ نفائس العلوم** اور مآثر کے مطابق: **منبع عیون المعانی** ہے۔ (عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ۲۶۵، مشائخ احمد آباد: ۲۷۴-۲۷۵)

(۵۲) شیخ امین جی (۱۳/شوال ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء)

شیخ امین جی بن جلال، اسماعیلی داودی دعوت کے ایک مانے ہوئے عالم ہیں، وہ احمد آباد کے داعی داود بن قطب شاہ کے معزز ساتھیوں میں سے ایک تھے، ان کی وفات احمد آباد میں (۱۳/شوال ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء) میں ہوئی تھی، فقہ کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کے وہ مصنف ہیں، جن میں سے تین کی داودی بڑی قدر کرتے ہیں۔

شیخ امین جی کی تالیف **حساب المواریث**، جو قانون وراثت سے متعلق ہے، اس میں رشتہ داروں کے درمیان تقسیم کئے جانے والے حصص کے ____Tables دیئے گئے ہیں، آپ کی دوسری تالیف "**السؤال والجواب فی الفقہ**" قوانین کا مجموعہ ہے، یہ کتاب جو کہ سوال وجواب کی صورت میں لکھی گئی ہے، اس میں قاضی نعمان کی کتابوں میں داودی دعوت کے بارے میں کھڑے ہونے والے مشکل مسائل کی توضیح وتشریح کی گئی ہے، اس کتاب کے بارے میں فہرست میں مختصر تبصرہ دیا گیا ہے، دیوانجی نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

شیخ امین جی نے مصر کے (حاکم) المعز باللہ الفاطمی کے قاضی القضاۃ قاضی نعمان کی مشہور ومعروف کتاب "**دعائم الاسلام**" کی شرح لکھی ہے، مذکورہ بالا مسائل امین جی سے یہ کتاب الگ تالیف ہے۔

Ivanow نے امین جی کے ایک اور رسالہ "**المنتخب المنظوم**" کا بھی ذکر کیا ہے، جو فقہ کے مسائل سے متعلق منظوم رسالہ ہے، اس منظومہ کے علاوہ امین جی نے داعی داود بن قطب شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ بھی نظم کیا ہے، اس قصیدہ کو "**الرسالۃ المزیّنات**" میں شامل کرلیا گیا ہے، فہرست الکتب کے مصنف نے "**کتاب الضریری**" پر امین جی کی ایک شرح کا بھی ذکر کیا ہے۔ (عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ۳۰۹-۳۱۰)

(۵۳) خواجہ نظام الدین احمد بخشی (وفات: ۱۰۰۳ھ مطابق ۱۵۹۴ء)

خواجہ نظام الدین احمد کا قیام گجرات میں کم وبیش آٹھ سال رہا، اسی زمانہ میں انہوں نے طبقات اکبری تالیف فرمائی، جو ۱۰۰۲ھ

میں مکمل ہوئی، خواجہ نظام الدین احمد باحوصلہ امیر تھے، اعلی اخلاق وکردار کے مالک، علم دوست اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اکبری دور کی بے دینی والحاد سے متنفر تھے۔

بلکہ آپ نے اس بے دینی کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لئے چند یادداشتیں جمع کیں؛ لیکن کتاب نہ لکھ سکے، انہیں یادداشتوں کی بنیاد پر ملاعبدالقادر بدایونی نے نجات الرشید لکھی۔

اس کتاب کے چند عنوان ملاحظہ ہوں: اصرار بر معصیت، شرب خمر، افتراء بر خدا، ترک صلاۃ، ترک زکوۃ، اہانت انبیاء، اہانت ملائکہ، دروغ بر رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بت پرستی، تعظیم کواکب، غلو در علم فلاسفہ کردن، الحاد، سب صحابہ، سجدہ لغیر اللہ، معنی قرآن بے علم گفتن، تراشیدن ریش، نکاح متعہ کردن، ملاعبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان مسائل وموضوعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔

(۵۴) شیخ بابو بن شیخ حسینی گجراتی (م ۱۰۰۷ھ)

پٹن میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے تحصیل علم کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، گجرات میں بڑی تعداد نے آپ سے علم حاصل کیا۔

العالم الفقيه الفتني الگجراتي أحد الرجال المعروفين بالفضل والكمال. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۸۷، ۸۸)

(۵۵) شیخ تاج الدین گجراتیؒ (م ۱۰۰۹ھ)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نسل سے ہیں، بہار سے پٹن آئے تھے، صحاح ستہ کے حافظ تھے، پٹن میں وفات پائی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۹۸)

(۵۶) شیخ کمال محمد عباسیؒ (شیخ وجیہ الدین علوی کے خلیفہ) (۱۲/ شعبان ۱۰۱۳ھ یکم جنوری ۱۶۰۵ء)

آپ کی ولادت احمد آباد گجرات میں ہوئی، شیخ وجیہ الدین احمد علوی کے شاگرد اور خلیفہ ہیں، عالم، عارف، عابد، حافظ اور محدث تھے، حدیث کی سند شیخ عبدالمالک بنانی سے حاصل کی تھی، ۹۸۲ھ میں وطن سے خاندیس کے راستہ اجین مالوہ میں آئے تھے، یہیں گھر تجویز کرلیا، اور شیخ اولیاء کالپوری کی صاحبزادی سے نکاح ہوا، فتوی نویسی کا منصب ملا، کامل ۳۰/ سال اس مقام پر شرعی اور حکمی علوم کا درس دیا، رات دن کی تقسیم آپ نے اس طرح پر کر رکھی تھی کہ رات کا ایک ثلث حصہ باقی رہتا تھا تو آپ اٹھ کر غسل کرتے تھے، اور نماز تہجد کے اندر کبھی تو ۶/ اور کبھی ۷/ پارے قرآن کے پڑھتے تھے، یہاں تک کہ سفیدی نمودار ہوجاتی تھی، پھر دعاؤں اور ذکر جہری سے فارغ ہوکر نماز صبح ادا فرماتے تھے، پھر اشراق تک تلاوت کرتے اور اشراق پڑھنے کے بعد سے زوال تک برابر درس دیتے رہتے تھے، پھر اہل سبق کے ساتھ کھانا کھاتے، پھر ایک گھڑی کے انداز سے قیلولہ کرکے نماز ظہر کے لئے اٹھ جاتے، نماز ظہر کے بعد نماز عصر تک لوگوں کی مشکلات فتوی نویسی سے حل کیا کرتے تھے، پھر شام کے وقت درویش دوستوں کے ساتھ راز تصوف اور تحقیق کی باتیں کرتے رہتے، نماز عشاء پڑھ کر گھر کے اندر چلے جاتے تھے، شب کے پہلے ثلث میں آئندہ روز کے سبقوں کے مطالعہ میں مشغول ومنہمک رہتے تھے، اور شب کے درمیانی ثلث میں سے کچھ حصہ تو خانہ نشینوں کے ساتھ اور کچھ حصہ سونے میں صرف کرتے، گیارہ سال کے آغاز سے چوّن سال تک اسی طریقہ پر زمانہ گذرا۔

۱۰۱۳ھ مطابق ۱۶۰۵ء میں شعبان کی بارہ کو دوشنبہ میں ہر شب کے معمول کے مطابق جس قدر طاقت میں گنجائش ملی معینہ معتاد میں

مشغول رہے، اور شب کے آخری حصہ میں ناسوتی مجلس سے منہ پھیر کر ملاء اعلی کی طرف روانہ ہوئے، خواب گاہ اسی دالان میں ہے جس میں درس دیا کرتے تھے۔ (گلزار ابرار: ۴۶۴، نزہۃ الخواطر: ۵ / ۵۳۳)

الشيخ العالم الكبير المفتي أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۳۱۶)

(۵۷) مفتی بہاء الدین عبدالکریم (م ۱۰۱۳ھ ۱۶۰۵ء)

آپ مفتی قطب الدین نہروالی کے برادر زادہ تھے۔ بہاء الدین عبدالکریم کی ولادت احمد آباد میں ۱۵۵۴ میں ہوئی تھی، جب آپ کے والد یعنی مفتی قطب الدین کے بھائی محب الدین بن علاء الدین ہجرت کر کے مکہ گئے تو نو عمر بیٹے عبدالکریم کو بھی ساتھ لے گئے۔ آپ نے شروع میں اپنے چچا اور مکہ کے مفتی قطب الدین سے درس لیا اور ابن حجر ھیثمی سے بھی فیض اٹھایا، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو مدرسۃ المرادیۃ میں مدرس اور بعد میں مکہ کا مفتی اور ۱۵۸۲ میں حرم شریف کا امام بھی بنایا گیا تھا۔

مفتی بہاء الدین عبدالکریم درس، فتاوی نویسی اور امامت کی خدمت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نے صحیح البخاری کی ایک شرح انھر الجاری علی صحیح البخاری تصنیف کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے چچا مفتی قطب الدین کی حرم شریف کی تاریخ کا اختصار بھی کیا تھا جس کا نام اعلام العلماء الاعلام ببناء المسجد الحرام ہے۔

(۵۸) عبدالکریم ؒ گجراتی (۱۵ / ذوالحجۃ الحرام ۱۰۱۴ھ)

عبدالکریم بن محب الدین بن علاء الدین خرقانی نہروالی گجراتی مکی، فضل و کمال میں یکتائے زمانہ تھے، آپ کی ولادت احمد آباد میں ۱۹/شوال المکرم ۹۶۱ھ، بروز پیر بوقت چاشت ہوئی، چوں کہ نہروالا میں آپ کا خاندان علم وطریقت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس لئے آپ اسی فضا میں پروان چڑھے۔

سفر مکہ اور خدمات دینیہ: آپ نے اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ کا سفر کیا، وہیں آپ کی نشوونما ہوئی، وہاں اپنے عم محترم مفتی قطب الدین نہروالی کی صحبت کو لازم پکڑا؛ حتی کہ فقہ میں ماہر ہو گئے، شیخ عبداللہ سندی سے بھی علم حاصل کیا اور علامہ ابن حجر ہیثمی سے بھی کسب فیض کیا، آپ ان سے صحیح بخاری کی روایت کرتے ہیں۔

آپ کو مکہ میں ۹۸۲ھ میں منصب افتاء سپرد کیا گیا اور ۹۹۰ھ کے پس وپیش خطابت کی ذمہ داری آپ کے سر ڈالی گئی، مکہ مکرمہ میں واقع مدرسہ سلطانیہ مرادیہ کے والی بنائے گئے اور اس طرح عوام وخواص کی خدمات دینیہ کا موقع ملا۔

تصنیفات: آپ نے بہت ہی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے النہر الجاری علی البخاری کے نام سے صحیح بخاری کی نامکمل شرح ہے، نیز ایک کتاب **اعلام العلماء الأعلام ببناء المسجد الحرام** کے نام سے تاریخ ہے، یہ ان کے عم محترم کی مختصر تاریخ ہے، جس میں انہوں نے ضرورت کے مطابق اہم معلومات کا اضافہ کیا ہے۔

اوصاف وکمالات: آپ کا حافظہ و مذاکرہ بہت ہی عمدہ وتیز تھا، فقہ کے ماہر، احکام وقواعد فقہیہ میں بھی فرد فرید تھے، اس کے نکات کو سمجھنے والے اور اسرار وغوامض کو کھول کر واضح کرتے تھے، اخبار ووقائع اور علماء کے احوال وسوانح کا استحضار تھا، بحث ومباحثہ میں انصاف پسند اور غیر جانب دار تھے۔

احمد آباد میں پیدا ہوئے، پٹن میں آپ کا گھرانہ علم وتصوف میں معروف تھا، ۹۹۹ھ مدرسہ سلطانیہ مکۃ المکرمہ میں خطیب مقرر

ہوئے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مفتئ مکہ بھی رہے، مکہ میں انتقال ہوا، جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔(نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۴۵)

وفات: آپ کی وفات ۱۵/ ذوالحجہ الحرام ۱۰۱۴ھ بروز بدھ غروب شمس سے پہلے ہوئی اور معلاۃ میں تدفین ہوئی۔(نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۴۵)

(۵۹) مولانا صوفیؒ (وفات: ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء)

مولانا صوفیؒ گجرات کے علمائے تصوف میں سے تھے، علوم میں آپ کو بڑا تبحر حاصل تھا، اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا، عبدالرحیم خان خاناں کی طرف سے آپ کا وظیفہ مقرر تھا، اس لئے ان کے احمد آباد کے کتاب خانہ کے آپ ناظر تھے، اس کے بعد انہوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی، اور اپنے گھر کے کونہ میں پڑے رہتے۔

علامہ صادق ''الصبح الصادق'' میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نام محمد تھا، اور بہت عمدہ شعر کہتے تھے، آپ کا فارسی میں ایک شعر ہے ؎

مرا بوقت جدائی دوست مردن بہ
کہ زندہ باشم و بے دوست بنگرم جارا

(۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء) میں آپ نے رحلت فرمائی اور علامہ صادق نے آپ کی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی'' رفتہ ملا محمد صوفی''

(۶۰) شیخ محمود بن محمد گجراتی (م ۱۰۴۰ھ)

احمد آباد مولد ومدفن ہے، احمد آباد کے صلحاء وفقہاء میں آپ کا شمار ہے۔(نزہۃ الخواطر: ۳۹۷)

(۶۱) شیخ شمس الدین (م: ۲۵، ربیع الاول ۱۰۴۲ھ/ ۱۶۳۲ء)

اسماعیلی داؤدی دعوت کے تیسویں داعی شیخ علی شمس الدین بن حسن بن ادریس (۱۰۴۱ھ/ ۱۶۳۱ء) میں داعی شیخ عبداللطیف زکی الدین کے جانشین بنے تھے، وہ (۸۳۲ھ/ ۱۴۲۸ء) میں وفات پانے والے انیسویں داعی شیخ ادریس بن حسن کے خاندان کے ہیں جو اپنا نسب شیخ ولید بن عقبہ القرشی سے جوڑتے ہیں، شیخ علی شمس الدین بڑے سخی اور بامروّت شخص تھے اور یمن میں ملاز المومنین کے نام سے پہچانے جاتے تھے، ان کا انتقال (۲۵، ربیع الاول ۱۰۴۲ھ/ ۱۶۳۲ء) میں ہوا تھا۔

آپ کی تالیفات میں سے صرف ایک فصل کا پتہ چلتا ہے، اس فصل کا تعلق نماز ترک کرنے والے کے لئے وعیدوں سے ہے، اور جسے آپ نے ذات البیان (نامی کتاب) کے ساتھ ملحق کیا تھا، اس فصل کا نام **''فصل فی ذکر قاطع الصلوۃ''** رکھا جاسکتا ہے، **''رمضانیہ''** میں اسے شامل کرلیا گیا ہے۔(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۳۲۱)

(۶۲) شیخ عبدالقادر العیدروسیؒ (م ۱۰۴۸/ ۱۶۳۰)

سید شیخ العیدروس کے نامور صاحبزادے محی الدین عبدالقادر، گیارہویں صدی ہجری کے نصف اول کے ایک قابل ذکر محدث اور مشہور صوفی ہیں، آپ بروز جمعہ ۲۰/ ربیع الاول ۹۷۸ھ/ ۱۵۷۰ء احمد آباد میں ایک ہندوستانی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان جیسے عظیم انسان کے بہت کم سوانح حالات ملتے ہیں، ''مرأت احمدی'' آپ کے بارے میں بالکل خاموش ہے، یہاں خود آپ نے اپنی کتاب النور السافر میں اپنے سفر کے بارے میں لکھا ہے، وہ نقل کیا جارہا ہے۔

عبدالقادر ۹۹۷ھ/ ۱۵۸۸ء میں احمد آباد سے سورت روانہ ہوئے اور وہاں چودہ ماہ قیام کیا، یہاں سے آپ بھروچ گئے جہاں ۹۹۸ھ/ ۱۵۸۹ء میں ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اپنے والد کے نام پر شیخ رکھا گیا، اس کے بعد کے سال میں آپ نے ایک طویل سفر کیا جس میں آپ نے چار مصروف سال گزارے، آپ نے سفر کی ابتداء سورت سے کی جہاں آپ سات سال مقیم رہے، اس دوران آپ نے اپنے والد کے مزار پر خوبصورت گنبد تعمیر کیا، آپ کا دوسرا قیام بھروچ میں ہوا جہاں سے آپ چیول گئے اور وہاں پانچ ماہ ٹھہرے، دکن میں آپ احمد نگر تک گئے اور وہاں چار ماہ قیام کیا، اس کے بعد حضرت نے کاٹھیاواڑ کے سفر کا ارادہ کیا، اس لئے آپ پہلے تو چیول واپس آئے اور وہاں سے بحری راستہ سے دیو گئے، آپ نے کاٹھیاواڑ میں کئی مقامات کی ملاقات لی اور آخر کار شمال میں موربی پہنچے، موربی سے آپ احمد آباد واپس ہوئے، احمد آباد ۱۰۰۲ھ/ ۱۵۹۳ء میں آپ کی آمد کے موقع پر عفیف الدین عبداللہ بن احمد بن فلاح الحضرمی نے ایک قطعہ تاریخ منظوم کیا، آپ نے ۱۰۴۸ھ/ ۱۶۳۰ء میں احمد آباد میں وفات پائی۔

صفوة الصفوة في بيان احكام القهوه:

قہوہ کی حرمت کے بارے میں فقہی بحث ہے، اس بارے میں مُخا کے شیخ علی بن عمر نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کا ذکر کیا تھا۔

دراصل سابق الذکر ''الزهر الباسم'' کی ایک فصل کا اقتباس ہے، اس کا قلمی نسخہ برلن میں دستیاب ہوا ہے، ڈاکٹر زبید احمد نے شیخ عبدالقادر العیدروسی کی قریباً ۳۳ تالیفات کا شمار کیا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۱۹-۲۲۰)

(۶۳) حضرت سید محمد جعفر بن حلال بدر عالم (م ۱۶۷۵)

آپ تفسیر وحدیث نیز دیگر کئی موضوعات مثلاً اوراد وظائف اور سوانح پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی ایک اور کتاب اعمال الصلاة المخصوصة بالسادات کا قلمی نسخہ درگاہ پیر محمد شاہ میں موجود ہے۔ اس کی سب روایات حنفی مذہب کے مطابق ہیں۔

(۶۴) شیخ احمد بن ابوبکر

شیخ احمد بن ابوبکر جو ابن الشلی یمنی کے نام سے معروف ہیں، تریم میں ۱۰۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور قرآن کریم محمد باعیشہ سے حفظ کیا، تجوید ان سے پڑھی، جزری، عقیدۂ غزالیہ، اربعین نوویہ، اجرومیہ کو حفظ کیا، اسی طرح ارشاد، اوقات الاصول اور قطر الندی وغیرہ پڑھیں اور متعدد مشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا، جن میں آپ کے والد محترم علامہ ہادی بن عبدالرحمن، قاضی احمد بن حسین، شیخ ابوبکر، ان کے بھائی شہاب الدین ابن عبدالرحمن، شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ، شیخ زین العابدین عیدروس، شیخ عبدالرحمن السقاف وغیرہ ہیں۔

فقہ، حدیث اور علوم عربیہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مشائخ سے طرق تصوف میں بھی آپ کو اجازت ملی، اور متعدد مشائخ کی طرف سے آپ کو خرقۂ خلافت بھی ملا، اس کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور یہاں ہندوستان میں شیخ، شیخ بن عبداللہ عیدروس سے تصوف کی تعلیم حاصل کی، اسی طرح سید ابوبکر بن احمد عیدروس کی صحبت میں رہے، نیز شیخ جعفر عیدروس، سید عمر بن عبداللہ باشیبان سے بھی مستفید ہوئے، یہاں ہندوستان میں ملک عنبر سے بھی ملاقات رہی، انہوں نے آپ کو بہت اچھی طرح رکھا اور ان کی وجہ سے ان علاقوں کے سلاطین اور ملوک کے یہاں بھی آپ کی شہرت ہوئی، اس کے بعد آپ یمن واپس تشریف لے آئے، لیکن وطن پہنچ کر بھی اس علم وفضل کے باوجود آپ علوم کی تحصیل میں برابر مشغول رہے، قاضی احمد بن حسین سے فتح الجواد اور احیاء العلوم پڑھی، اسی طرح شیخ عبدالرحمن

السقاف سے لغتِ عربیہ اور حدیث پڑھی اور تصوف کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں، پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں بھی علم کی تحصیل میں مشغول رہے، اس وقت حرمین شریفین میں مقیم جن مشائخ سے آپ نے استفادہ کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

شیخ عارف محمد بن علوی، شیخ عبدالعزیز زمزمی، شیخ محمد بن علی بن علان، شیخ سعید باقشیر، شیخ محمد بن عبدالمنعم الطائفی، سید احمد بن ہادی، شیخ احمد بن محمد القشاشی۔

مشائخ میں سے اکثر نے آپ کو اپنی مرویات اور تالیفات کی روایت کی اجازت دی، اس کے بعد حرمین شریفین سے واپس لوٹ آئے۔ ماہر علماء سے طویل زمانے تک استفادہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل میں بڑا اونچا مرتبہ عطا فرمایا، آپ حساب اور فرائض کے ماہر اور لغت کے ماہرین میں بہت اونچے مرتبہ پر فائز ہوئے اور آپ سے بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا۔

وفات: آپ نے تریم میں ۱۰۵۷ھ/ ۱۶۴۷ء میں انتقال فرمایا اور آپ کی ولادت ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء میں ہوئی، زنبل کے مقبرہ میں آپ دفن کئے گئے، وہاں آپ کی قبر مشہور ومعروف ہے۔ (مشائخ احمد آباد: ۳۵۸-۳۵۹)

(۶۵) استاذ العلماء قاضی علی بن اسد اللہؒ (علامہ وجیہ الدین علوی کے پڑپوتے) (وفات ۵/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۰۷۰ھ ۱۲/ جولائی ۱۶۶۰ء)

علامہ قاضی علی بن اسد اللہ بن عبداللہ بن وجیہ الدین علوی بیجاپوری، جو علی محمد سے مشہور ہیں، آپ کا لقب استاذ الاولیاء تھا، آپ کا مولد ومنشاء گجرات ہے، یہیں سے آپ نے علم حاصل کیا، پھر آپ اپنے بڑے بھائی میران بن اسد اللہ کے ساتھ بیجاپور منتقل ہوگئے، اور ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری کے دور میں وہاں کی قضا آپ کے سپرد ہوئی، وہاں آپ نے عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا، جس مدرسہ کے بعض مشہور تلامذہ یہ ہیں:

شیخ ابوتراب، سید محمد، قاضی برہان، قاضی ابراہیم زبیری، ابراہیم بن عبدالحمد بیجاپوری۔

آپ نے بیجاپور میں ۵/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۰۷۰ھ ۱۲/ جولائی ۱۶۶۰ء کو وفات پائی اور بیجاپور میں دفن ہوئے۔ (روضۃ الاولیاء، نزہۃ الخواطر، ص: ۲۶۱)

(۶۶) قاضی عبدالوہاب پٹنی (م: ۱۰۸۷ھ/ ۲۶/ نومبر ۱۶۷۵ء)

علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی اولاد میں ہیں، متعدد جگہوں میں منصب قضاء پر فائز رہے، دہلی میں انتقال ہوا۔

الشيخ العالم الفقيه قاضي القضاة عبدالوهاب الحنفي الأحمدآبادي. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۶۷)

اورنگ زیب کے قاضیوں کے سلسلے میں جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہم قاضی عبدالوہاب کو ممتاز قاضی کی حیثیت سے پاتے ہیں۔

قاضی عبدالوہاب نے فقہ اور دینیات کی تعلیم حاصل کی، علم فقہ اور اصول فقہ میں انہیں مہارت تھی، شاہجہاں کے عہد حکومت میں ایک لمبے عرصے تک اپنے وطن پٹن کے مفتی رہے۔ (ایس۔ اے۔ آئی۔ ترمذی، ہم اسپیکٹس آف میڈیول گجرات، نئی دہلی، ۱۹۶۸ء ص: ۱۰۶) پٹن کے قاضی بننے سے پہلے انہوں نے کچھ انتظامی تجربات بیجوال اور رنو پر محال کی فوجداری کرکے حاصل کئے، قاضی عبدالوہاب نے اس عہدے پر رہ کر بڑی محنت اور ذمہ داری سے کام لیا اور بادشاہ کے احکام پر عمل کیا اور بڑے ہی عزم واستقلال کے ساتھ اپنے عہدے پر قائم رہے، اس عہدے پر رہ کر جیسا کام قاضی عبدالوہاب نے کیا اس سے قبل کسی اور قاضی نے نہیں کیا۔ (شاہنواز خاں

،مآثر الامراء، جلداول:ص:۴۴-۳۴۳-۲۴۳،مختاور خاں،مرأۃ العالم: جلددوم،ص:۴۵۱)

جب اورنگ زیب نے اپنا دوسرا جشن تاجپوشی منایا اور خطبہ پڑھنے کا سوال اٹھا تو اس وقت کے قاضی القضاۃ نے خطبہ پڑھنے سے انکار کردیا، قاضی نے کہا کہ باپ کی موجودگی میں بیٹے کے نام کا خطبہ پڑھنا شریعت کے خلاف ہے۔(بلگرامی رفعت، حوالہ مذکورہ،ص:۱۲۱)اس چیز نے اورنگ زیب کو پریشانی میں ڈال دیا،اس موقع پر شیخ عبدالوہاب نے غور وفکر اور صلاح ومشورے کے بعد یہ اعلان کیا کہ اعلی حضرت خاقانی شاہجہان بہت تیزی کے ساتھ کمزور ہورہے ہیں اور ان کے اندر کام کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی ہے، ریاست کے مختلف شعبوں کے اچھی طرح سے حکام ہی ریاست کو چلانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے ریاست کے کام اور عام لوگوں کی بھلائی کے کام میں رکاوٹیں آرہی ہیں۔(بلگرامی رفعت،حوالہ مذکورہ،ص:۱۲۱)

اپنی بیماری اور کمزوری کے باعث شاہجہاں حکمراں رہنے کے لائق نہیں ہے، اس سلسلے میں شیخ عبدالوہاب نے شریعت کے مطابق بہت سی صحیح روایات اس وقت پیش کیں، جبکہ بہت سے عالم اور خداترس لوگ موجود تھے، اورنگ زیب نے شیخ عبدالوہاب کو جمعہ کے دن دہلی کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا، قاضی القضاۃ کو اورنگ زیب کے نام کا خطبہ نہ پڑھنے پر عہدے سے برطرف کردیا گیا اور شیخ عبدالوہاب کو دربار کا قاضی بنایا گیا اور ساتھ ہی قاضی القضاۃ کا خطاب دیا گیا۔(ایشورداس ناگر، فتوحات عالمگیری (انگریزی)،ص:۵۵)

قاضی عبدالوہاب ایک باوقار شخص تھے اور سماج میں اپنا اثر رکھتے تھے، خافی خان لکھتا ہے کہ جب اورنگ زیب کو شیواجی کی تازہ شرارتوں اور فسادانگیزیوں کی خبر ملی تو مہابت خاں کے کوچ کے متعلق بات چھیڑ گئی، بادشاہ نے جعفر خاں اور مہابت خاں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ کافر بہت پیر پھیلاتا جارہا ہے، اس کی سرکوبی نہایت ضروری ہے، مہابت خاں نے جواب میں التماس کیا کہ فوج اور لشکر کے تعین کی ضرورت نہیں، بس قاضی جی کا اعلان ہی کافی ہوجائے گا۔(شاہنوازخان،حوالہ مذکورہ،ص:۳۲۴،ایضا:ص:۱۰۷)

قاضی عبدالوہاب کو کامرس وتجارت سے بڑی دلچسپی تھی ،تجارت کی اشیاء پر برآمدات ودرآمدات ٹیکس کے حکم کا اعلان قاضی عبدالوہاب پر اعتماد کے سبب کیا جاتا تھا،(خافی خاں منتخب المباب، جلد دوم (اردو)ص:۱۹۹) قاضی عبدالوہاب کے علاوہ کسی دوسرے قاضی اور عہدے داروں نے ان جیسا اہم مقام حاصل نہیں کیا، قاضی عبدالوہاب فقہ، اصول فقہ اور دوسرے فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، سیاسی کاموں کے ساتھ ساتھ سماجی کاموں میں بھی انہیں اولیت دی جاتی تھی۔

۲۲/جولائی ۱۶۷۵ء میں قاضی القضاۃ عبدالوہاب بیمار پڑے اور ۲۶/نومبر ۱۶۷۵ء کو دارفانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ کرگئے، ان کے لڑکے شیخ الاسلام جو اس وقت دہلی کے قاضی تھے، دربار میں آئے اور اپنے والد کے جانشین ہوئے۔(شاہنواز خاں، حوالہ مذکورہ،ص:۲۳۵،ایشورداس ناگر حوالہ مذکورہ:ص:۱۱۳)

مرکز میں قاضی عبدالوہاب کا خاندان ہی ایک ایسا خاندان تھا جس کے لوگ مذہبی عہدوں پر فائز رہا کرتے تھے، شیخ الاسلام نے جب ۱۶۸۴ء میں استعفیٰ دیا تو ان کی جگہ پر عبدالوہاب کے داماد سید ابوسعید کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔(رفعت بلگرامی،حوالہ مذکورہ،ص:۱۱۴)
انہوں نے بھی خرابئ صحت کے باعث ۱۶۸۶ء میں استعفیٰ دے دیا اور ۱۶۸۹ء میں اس دنیا سے رحلت کرگئے۔(رفعت بلگرامی، حوالہ مذکورہ،ص:۱۰۷)

تلاش بسیار کے بعد بھی قاضی عبدالوہاب کی کوئی تصنیف ہمیں دستیاب نہ ہوسکی، انہوں نے ضرور کچھ لکھا ہوگا، جو ہمارے دسترس میں نہیں ہے، یہ علم فقہ اور اصول فقہ میں مہارت رکھتے تھے، مفتی بھی تھے، اور جس وقت آپ قاضی تھے اسی عہد میں فتاوی عالمگیری کی تدوین کا کام بھی شروع ہوا، اس کے لئے اورنگ زیب نے نامور علماء کی ایک جماعت بھی متعین کی، لیکن فتاوی عالم گیری کے مرتبین کی فہرست میں بھی قاضی عبدالوہاب کا نام نہیں ملتا، اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ دیوان قضاء کے کاموں میں مصروف ہونے کے باعث موقع نہیں ملا ہوگا، کہ وہ تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دیں۔ (رفعت بلگرامی، حوالہ مذکورہ، ص: ۱۰۸-۱۰۷)

(۶۷) شیخ اسحٰق بھروچیؒ (زمانہ: ۱۰۷۲ہجری/ستر ویں صدی عیسوی)

شیخ اسحٰق گجرات کے ایک بڑے مصنف اور ولی تھے، آپ حضرت فرید شکر گنج کی اولاد میں سے تھے، یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شیخ اسحٰق کا خاندان بھروچ میں کب آیا تھا، شیخ اسحٰق اعلی تعلیم کے لئے احمد آباد گئے تھے، اور حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کے مرید اور ممتاز عالم شیخ عبدالغنی کے پاس تعلیم حاصل کی تھی، شیخ اسحٰق احمد آباد میں (۱۰۱۶ اور ۱۰۲۰ / ہجری ۱۶۰۷ اور ۱۶۱۱ عیسوی) کے درمیان رسول پور نامی مقام میں رہے تھے، (جو اب خان پور کہلاتا ہے) جہاں آپ کے اپنے مکانات تھے، آپ کے داماد مولانا محمد علی بن عبدالرحمن، احمد آباد شہر کے قاضی تھے، شیخ اسحٰق کا مدرسہ بھروچ میں تھا، بھروچ کے نواح میں ایک علاقہ کا نام، شیخ اسحٰق کے نام پر اسحاق پورہ اور آپ کے صاحبزادے شیخ محمود کے نام پر محمود پورہ رکھا ہوا ہے۔

تمباکو کے مہلکات سے متعلق ایک رسالہ کے آپ مصنف ہیں جو غالباً ۱۰۴۰ھ میں لکھا گیا تھا، اس کا نام **تحریم شرب الدخان** ہے، اس کا قلمی نسخہ بھروچ کے قاضی کی نجی لائبریری میں محفوظ تھا۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۴۴)

(۶۸) محمد فرید (م ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۱ء)

گیارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے ایک قابل ذکر دانشور، احمد آباد کے محمد فرید صدیقی ہیں، آپ علامہ محمد شریف کے صاحبزادے اور جانشین تھے، آپ کی ولادت یا وفات کی تاریخ تو ہمیں نہیں مل سکی، البتہ (اتنا کہہ سکتے ہیں کہ) آپ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ (۱۰۹۵ھ/ ۱۶۳۸ء) میں احمد آباد میں قاضی تھے اور بعد میں اردوئے معلیٰ کے عہدۂ قضاء تک آپ کو ترقی دی گئی تھی، اور (۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۷ء) میں ان (شیخ عبداللہ) کی وفات ہوئی تھی، ہم آسانی سے (۱۰۷۵ھ/ ۱۶۶۴ء) میں محمد فرید کی وفات کا ہونا بتا سکتے ہیں، ان کے بھائی محمد صدیق بھی اپنے وقت کے ممتاز عالم تھے جنہوں نے پوری زندگی علم کے حصول اور اس کی توسیع کے لئے وقف کردی تھی، شیخ فرید کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں چند معروف ہیں، مثلاً:

(۱) حاشیہ علی حاشیۃ المطول:

یہ المطول پر الخطابی (عبدالحئ الخطابی الشہیر بمولازادہ) کے حاشیہ پر حاشیہ ہے، مصنف نے اسے (۱۰۶۰ھ/ ۱۶۴۹ء) کے آخری مہینے میں مکمل کیا تھا، جیسا کہ کتاب کے آخر میں بتایا گیا ہے، اس کا قلمی نسخہ بانکی پور میں محفوظ ہے۔

(۲) حاشیہ علی التلویح:

فقہ کے موضوع پر نصابی کتاب کا درجہ رکھنے والی تصنیف التنقیح کی تفتازانی کی لکھی ہوئی شرح تلویح پر یہ حاشیہ ہے، اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔

(۳) حاشیہ علی شرح التفتازانی علی العضدی:

العقائد العضدیہ پر التفتازانی کی شرح پر حاشیہ ہے، اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔

شیخ محمد فرید نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں **العقائد العضدیہ** پر التفتازانی اور سید شریف جرجانی کی شرحوں پر تفصیلی حاشیے لکھے تھے، والد کی وفات کے بعد آپ نے مفید اضافے کئے اور تمام مواد کو نئی ترتیب دے کر کتابی شکل تیار کی اور اس کا یہ نام رکھا تھا، اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔

حضرت پیر محمد شاہ لائبریری، وضاحتی فہرست، جلد: ۲ مخطوطہ نمبر 511 (اس کتاب خانہ میں شیخ فرید بن محمد شریف صدیقی کا ایک اور مخطوطہ بعنوان: **حاشیہ شیخ فرید علی العضدی و علی تفتازانی و علی حاشیہ السید شریف** بھی محفوظ ہے، نمبر 432 اور ''**حاشیہ شیخ فرید علی عضدی**'' نمبر VII-939 پر بھی محفوظ ہے۔

سید حسینی پیر کی تصنیف **تذکرۃ الوجیہ**، ص: (۱۴۴-۱۴۵) پر مولانا شیخ فرید کی تاریخ وفات تصریحاً ۸، ربیع الثانی بروز یک شنبہ بوقت ظہر ۱۰۹۲ھ بتائی ہوئی ہے، اس کے علاوہ آپ کے خاندان کے علماء کرام کے نام حسب ذیل مندرج ہیں:

۱۔ عزیز اللہ صدیقی احمد آبادی۔

۲۔ مولانا شیخ فرید (شاگرد شیخ وجیہ الدین) سال وفات ۱۰۲۶ھ۔

۳۔ علامہ محمد شریف، بڑے عالم و فاضل، مدرسہ شاہ وجیہ الدین کے مدرس اور مولانا احمد بن سلیمان کردی کے استاد۔

۴۔ مولانا شیخ محمد فرید، (مولانا محمد صدیق بن محمد شریف کے بھائی) سال وفات: ۱۰۹۲ھ۔

۵۔ شیخ عبداللہ، قاضی احمد آباد، سال وفات: ۱۱۰۹ھ۔

{PML میں حاشیہ علی شرح المقاصد (موضوع: منطق، زبان عربی) کا قلمی نسخہ محفوظ ہے، جس کے مصنف کا نام محمد فرید الدین بتایا گیا ہے۔ مخطوطہ نمبر: 2075-A، وضاحتی فہرست، جلد: ۷) (عربی زبان و ادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۴۶)

(۶۹) الشلّی (م ۱۰۹۳/۱۶۸۱)

جنوبی عرب کا ایک عظیم مصنف اور دانشور جس نے گجرات میں بود و باش اختیار کر لی تھی وہ الشلّی ہے، ان کا پورا نام جمال الدین ابوعلی محمد بن ابوبکر بن احمد بن ابوبکر بن عبداللہ بن ابوبکر بن علی بن عبداللہ بن علی الشلّی، الحضرمی ہے، ان کی ولادت حضرموت کے تریم میں نصف شعبان (۱۰۳۰ھ/۱۶۲۱ء) کو ہوئی تھی، انہوں نے زبردست قوت یادداشت پائی تھی اور قرآن کریم کے علاوہ، **الجزریہ، العقائد الغزالیہ، الاربعون النوویہ، الاجرومیہ، قطر الندیٰ، ملحقۃ الارب** اور **ارشاد** جیسی کئی کتابیں انہیں ازبر تھی، الشلّی نے فخر الدین ابوبکر، شہاب الدین، عبدالرحمن بن علی بافقیہ، قاضی عبداللہ بن ابوبکر الخطیب، محمد بارضوان معروف بہ اقلان اور اپنے وقت کے دیگر مشائخ کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی، وطن میں تعلیم مکمل کر لینے کے بعد وہ سورت آئے اور کئی ممتاز ہندوستانی عالموں سے علم حاصل کیا، نیز کئی مشائخ کی خدمت میں رہ کر تصوف میں بھی اعلیٰ مدارج طے کئے، زندگی کے آخری ایام میں وہ مکہ گئے اور اس عمر میں بھی وہاں کے متبحر عالموں سے تعلیم حاصل کرنے کا انہیں موقع مل گیا، مثلاً شیخ عبداللہ اسعد الیافعی، انہوں نے (۱۰۹۳ھ/۱۶۸۱ء) میں مکہ میں وفات پائی۔

رسالہ فی علم المیقات بلاآلۃ:

علم النجوم میں ان کی دلچسپی کا شاہد وہ رسالہ ہے جس میں مکہ میں زوال کا وقت متعین کیا گیا ہے، اس کا نام: **رسالة فی معرفة الظل الزوال کل یوم بارض مکة المشرفة** ہے۔

اسی موضوع پر ایک اور رسالہ کا نام حسب ذیل ہے: **رسالة فی معرفة اتفاق المطالع واختلافه.**

الشلّی نے السنوسی کے منطق کے موضوع پر لکھے گئے ایک رسالہ کی حسب ذیل شرح لکھی ہے:

شرح رسالة الامام السنوسی فی المنطق۔

الشلّی نے حدیث کے موضوع پر جلال الدین السیوطی کی ضخیم کتاب پر درج ذیل شرح لکھنے کا بھی افتخار حاصل کیا ہے:

شرح جمع الجوامع:

الشلّی نے درج ذیل دو اور شرحیں لکھی تھی، "**تحفة القدسية**"، یہ **مختصر الرحبیه** کی شرح ہے، (**شرح مختصر الایضاح**) یہ ابن حاجب کی مالکی فقہ سے متعلق تالیف "**مختصر الإيضاح**" کی شرح ہے، یہ تمام کتابیں نایاب ہیں۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۵۳)

(۷۰) شیخ ابو سعید گجراتی (م ۱۰۹۹ھ)

قاضی عبدالوہاب پٹی کے داماد تھے، دہلی میں منصب قضاء پر فائز رہے۔ **الشيخ العالم الفقيه القاضي.** (نزہۃ الخواطر: ۱۹/۵)

(۷۱) شیخ محی الدین بن عبدالوہاب حنفیؒ (وفات ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء)

شیخ محی الدین بن عبدالوہاب حنفی اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے، سلطان عالمگیر نے گجرات کی صدارت آپ کے سپرد فرمائی، اور اس علاقہ کے جزیہ وصول کرنے پر آپ کو بطور امین مقرر فرمایا، ایک عرصہ تک ان امور کو آپ انجام دیتے رہے، اور احمد آباد میں ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۴۱۳)

شیخ محی الدین ابن شیخ عبدالوہاب، عہد اورنگزیب کے عالم دین گزرے ہیں، آپ ممتاز محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی کے پرپوتا تھے، آپ نے فقہ کی معیاری کتابوں کی طرز پر ایک تصنیف "**مجموعة الاصول**" چھوڑی ہے، اس کا صرف ایک جزو بھروچ کے قاضی کے خاندانی ذخیرہ میں موجود ہے، آپ کی وفات احمد آباد میں (۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء) میں ہوئی تھی۔

یہاں اس بات کو قابل لحاظ رکھنا چاہئے کہ عہد اورنگ زیب میں شیخ محمد بن طاہر کے پوتے عبدالوہاب اقضی القضاۃ تھے، اس کے علاوہ مصنف ابوالبرکات نے کثرت سے اپنے پردادا اور ان کے استاد شیخ علی متقی کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۶۱)

(۷۲) شیخ حکیم الدینؒ

شیخ عبدالقادر حکیم الدین بن ملا خان بن حبیب اللہ جو اٹھتیسویں داعی، شیخ اسماعیل جی بدرالدین (متوفی: ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء) کے دور میں گزرے ہیں، وہ اسماعیلی دعوت کے بڑے مبلغ تھے، وہ فطری شاعر اور کثیر التصانیف مصنف تھے، انہوں نے داودی دعوتی ادب پر دائمی اثرات چھوڑے ہیں۔

فقہ کے موضوع پر شیخ حکیم الدین کی تصانیف میں "**الارجوزة فی بیان ما فی سنن من سنن الصلوة**" میں نماز کے بارے میں

احادیث کو شامل کیا گیا ہے، جبکہ "تبویب مسائل میاں شمعون" میں مشہور اسماعیلی فقیہ قاضی نعمان کی تصنیف "کتاب دعائم الاسلام" کے طرز پر لکھی گئی "المسائل الشمعونیه" کی تبویب کی گئی ہے۔

آخر میں یہ بتانا چاہئے کہ Ivanow نے شیخ حکیم الدین کی تالیفات میں کلیلہ ودمنہ کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن راقم الحروف کو اسماعیلی کلیلہ ودمنہ، جسے کتاب البرہان کا نام بھی دیا گیا ہے، اس کے مصنف کا نام تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔

کتاب کلیلہ ودمنہ اسماعیلیوں میں بہت مقبول رہی ہے، کسی اسماعیلی عالم نے کلیلہ ودمنہ کے طرز پر، تاویل کے موضوع پر ایک دینی کتاب بھی لکھی ہے، اسماعیلی کلیلہ ودمنہ سے متعلق دیکھئے: فہرست، ورق، ۲۸۰-۲۷۹۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۳۱۹)

(۷۳) ملک احمدؒ (زمانہ: گیارہویں صدی ہجری/سترویں صدی عیسوی)

ملک احمد بن ملک پیر محمد الفاروقی، گیارہویں صدی کے آخری حصہ میں احمد آباد میں گزرے ہیں، ان کے سوانحی حالات دستیاب نہیں ہیں، آپ مختلف موضوعات پر لکھی گئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۔ زاد الاحباب فی مناقب الاحباب:

یہ ایک سوانحی تصنیف ہے، مقدمے میں مصنف بتلاتے ہیں کہ شیعہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جاہل سنی مسلمانوں کے درمیان اپنے مسلک کی تبلیغ کریں اور ان میں سے چند نے شیعیت کو تسلیم بھی کر لیا تھا، جب کہ عوام کی بڑی تعداد کے عقائد بگڑ چکے تھے، آپ مزید یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے استاد سید مرتضیٰ (م: ۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۷ء) کے ایما پر اس کتاب کا کام شروع کیا تھا، یہ کتاب ایک مقدمہ، سات ابواب اور تکملہ پر منحصر ہے۔

مصنف نے اس کی تالیف میں بیس سے زائد سال صرف کئے تھے، یعنی (۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۸ء) کے شعبان کے مہینہ میں اسے لکھنا شروع کیا تھا اور (۱۰۹۱ھ/ ۱۶۸۰ء) کے ربیع الثانی میں اسے مکمل کیا تھا، غالباً اس کا واحد قلمی نسخہ بانکی پور میں محفوظ ہے، اور زبید احمد نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ملک احمد کے چند اور حاشیہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ حاشیہ شرح الوقایا۔ ۲۔ حاشیہ شرح المقاصد

۳۔ حاشیہ شرح المواھب۔ ۴۔ ایضاح الطالب۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۵۰)

(۷۴) شیخ سلیمان کردیؒ

کُردستان سے ہندوستان آئے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے علم حاصل کر کے گجرات آئے، اور یہیں رہ کر درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کر لیا۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۱۵۹)

(۷۵) قاضی محمد شریف گجراتیؒ

گجرات میں درس وتدریس سے علم کی اشاعت کی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۳۷۵)

سن ہجری : ۱۱۰۱تا۱۲۰۰

(۷۶) قاضی محمد شفیع گجراتیؒ

شیخ محمد شفیع حنفی ، یکے ازعلمائے کبار، فقہ واصول فقہ میں ممتاز مقام حاصل تھا،سلطان عالمگیر کے دور میں ۱۱۰۱ھ میں احمد آباد کے اطراف میں میرٹھ کے قاضی بنائے گئے تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول, وولي القضاء بميرٹھ أعمال أحمدآباد. (نزہۃ الخواطر:۶/۳۱۹)

نوٹ:''میرٹھ''احمد آباد کا کوئی دیہات ہوگا،مشہور شہر میرٹھ (یوپی) مراد نہیں۔(مرتب)

(۷۷) قاضی شیخ الاسلامؒ (وفات:۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۷ء)

قاضی القضاۃ عبدالوہاب کے بیٹے ہیں،فقہائے احناف میں سے تھے،علم وعمل، زہد وورع کے امام تھے۔

آپ کے والد قاضی عبدالوہاب کے انتقال کے بعد ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے آپ کو عہدۂ قضاء کی پیشکش کی ؛لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا، عالمگیر کے اصرار کرنے پر اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ اسے قبول کرلیا، پھر آپ نے اس عہدہ کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے ،اورحق بات ظاہر کرنے میں بادشاہ کی بھی رعایت نہیں کی، ۱۰۹۴ھ میں آپ نے استعفی دے دیا،اس کے بعد آپ حج کو تشریف لے گئے، واپسی پر عالمگیر نے صدارت عظمی کی باصرار پیش کش کی ؛لیکن آپ نے قبول نہ کیا،۱۱۰۹ھ میں وفات پائی،اوراپنے بزرگوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔(یادایام)

مولانا ابوظفر ندوی نے آپ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں،ابتداء میں قاضی دہلی تھے،پھر قاضی عسکر ہوگئے،اپنے باپ کے ترکہ میں سے انہوں نے کچھ نہ لیا جس کی مقدار ایک لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ نقد روپئے تھی،یہ رقم دوسرے وارثوں میں تقسیم کردی، مقدمات میں اکثر یہ کوشش کرتے کہ دونوں فریق صلح کرلیں،اوراکثر مقدمات اسی طرح فیصل کئے۔(نزہۃ الخواطر:۶/۱۱)

(۷۸) قاضی القضاۃ قاضی عبداللہ بن محمد شریفؒ (وفات:۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۷ء)

قاضی عبداللہ بن قاضی محمد شریف حنفی: فقہ اوراصول فقہ میں ممتاز مقام حاصل تھا، پہلے احمد آباد میں عہدۂ قضاء پر تقرر ہوا، پھر جب محمد اعظم بن عالمگیر سے آپ کا تعلق ہوگیا تو اس نے آپ کو اردوئے معلیٰ کا قاضی مقرر کیا،اورایک مدت تک آپ اسی عہدہ پر فائز رہے، پھر جب ۱۰۹۵ھ میں قاضی القضاۃ میر ابوسعید قضاء سے سبکدوش ہوئے تو عالمگیر نے اقضی القضاۃ کا بڑا عہدہ آپ کے سپرد کیا، چنانچہ آپ ایک مدت تک ہند کے قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے، پھر آپ صدرالصدور کے منصب پر فائز ہوئے ؛لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ۱۱۰۹ھ میں آپ کی وفات ہوگئی۔(یادایام،نزہۃ الخواطر)

مآثر عالمگیری میں ہے:مفتی قاضی محمد اکرم حنفی دہلوی کبار فقہاء میں سے تھے،آپ نے اکابر سے علم وافتاء کو ورثے میں پایا اورفوج میں افتاء کی خدمت پر طویل زمانے تک مامور رہے، پھر عالمگیر نے آپ کو ۱۰۴۹ھ میں اورنگ آباد کی قضا سونپی۔

پھر آپ کو قضاء اکبر قاضی القضاۃ کا عہدہ قاضی عبداللہ بن محمد شریف گجراتی کی جگہ پر ۱۱۰۹ھ میں سونپا گیا،ساری عمر اس عہدہ پر

رہے، آپ فقہ میں بے نظیر تھے، نہایت خوش طبع ،نشیط ،خوش مزاج تھے، عالمگیر آپ کو آپ کی وفات کے بعد اعلم المرحوم کے نام سے یاد کرتے تھے، آپ نے ۱۱۱۶ھ میں وفات پائی۔کمافی مآثر عالمگیری (مشائخ احمد آباد: ۲/ ۴۰۵)

(۷۹) مولانا محمد فاضل سورتیؒ (م ۱۱۲۹ھ)

حجاز کے قبیلہ بنو عبید سے نسبت ہے، گجرات میں پیدا ہوئے، شیخ زین العابدین احمد آبادی کے شاگرد ہیں۔تجارت کے ساتھ ساتھ تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا، آپ کی من جملہ تصانیف کے فن فقہ میں "حاشية الدرر " ہے۔(نزہۃ الخواطر: ۶/ ۳۴۲)

(۸۰) قاضی عبد الرسول گجراتیؒ (م ۱۱۳۰ھ)

احمد آباد سے جانب مغرب میں واقع کپر نج (کپڑ ونج) میں پیدا ہوئے، ''دھولکا'' اور''احمد نگر'' میں منصب قضاء پر فائز رہے۔ درس وتدریس بھی کرتے تھے۔(نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۴۸)

(۸۱) شیخ عبد الرسول بن عبد الصمد بن عبد الرحیم (وفات: ۱۹ر شوال المکرم ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۷۱۸ء)

شیخ عبد الرسول بن عبد الصمد، دانشوروں کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے پشتوں تک گجرات کے ضلع کپڑ ونج کے قاضی کے عہدے کو زینت بخشی تھی، ان کا نسب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ تک پہنچتا ہے، ان کی ولادت تو کپڑ ونج میں ہوئی تھی لیکن جوانی میں احمد آباد آگئے تھے، وہ شاہ عبد الماجد کے روحانی خلیفہ تھے جو شاہ وجیہ الدین علوی کے پوتے تھے اور وہ عبد الماجد کے صاحبزادے شیخ ناصر الدین (نصیر الدین) اور ملا احمد بن سلیمان الکردی کے ہم سبق تھے، آپ نے شیخ فرید سے تجوید کا سبق لیا تھا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ نہروالہ چلے گئے، کچھ وقت وہاں قیام کرنے کے بعد انہوں نے شاہ جہاں آباد کی راہ لی تھی۔دھولکہ (گجرات) میں قاضی کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا تھا جہاں انہوں نے پانچ سال کام کیا، بعد میں عہدہ سے مستعفی ہو کر احمد آباد لوٹ آئے اور اپنے پیر و مرشد کے ساتھ رہنے لگے، پیر و مرشد کے ساتھ دکن کا سفر کیا، آخر کار احمد نگر میں قاضی کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا، عوام ان کا بہت اکرام کرتے ،البتہ یہ بات افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ دکن کے سیاسی بحران کے دوران ان کا مکان تاراج کر دیا گیا تھا، اس ناگہانی آفت کی ایک طرح سے غیبی اطلاع ہو جانے پر انہوں نے اپنے گھر کی خواتین اور وسیع کتاب خانہ کو محفوظ جگہ (مشرقی احمد نگر) منتقل کر دیا تھا، یہ آفت ہمیں اس چھوٹی سی آفت کی یاد دلاتی ہے جس سے حاجی الدبیر دوچار ہوئے تھے، شیخ عبد الرسول کی وفات احمد آباد میں (۱۱۳۰/ ۱۷۱۸ء) میں ہوئی تھی۔

شیخ عبد الرسول کی تصنیف **الشمائل المحمدیه** کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی تھی اور کسی غیر معروف صاحب قلم نے اس کی شرح "**فضائل الاحمدیه**" کے نام سے لکھی تھی، **الشمائل المحمدیه** کا مخطوطہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۴)

بعضوں نے آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

قاضی عبد الرسول بن ابو محمد بن عبد الوارث ابن ابو محمد بن عبد الملک بن اسماعیل بن شہاب الدین بن حسام الدین عثمانی کپڑ ونجی۔

علمائے صالحین میں سے تھے، کپڑ ونج میں آپ پیدا ہوئے، جو احمد آباد سے تقریباً بیس میل کی مسافت پر مغرب کی جانب واقع ہے، آپ نے شیخ احمد بن سلیمان سے علم حاصل کیا، اسی طرح شیخ نصیر الدین بن عبد الماجد علوی سے بھی پڑھا، اور قرأت وتجوید شیخ فرید الدین سے پڑھی، اور طریقت شیخ عبد الماجد سے حاصل کی جو شیخ وجیہ الدین علوی کے خاندان میں سے تھے، پھر آپ نے دہلی کا سفر

کیا، اور وہاں سے دھولکہ گجرات کی قضاء کا منصب لے کر آئے، پانچ سال تک اس منصب پر فائز رہے، اس کے بعد آپ نے کلکتہ کا اپنے شیخ کے ساتھ سفر کیا؛ مگر عالمگیر سے جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ کو احمد نگر کی قضا سونپی گئی، اور اخیر تک اسی کو انجام دیتے رہے، مگر درس وتدریس بھی آپ کا ہمیشہ مشغلہ رہا، ۱۹/ شوال المکرم ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴/ دسمبر ۱۷۱۸ء کو پیر کی شب میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۴۸)

(۸۲) سید معظم شاہ سورتیؒ (م ۱۱۳۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے علم حاصل کیا، معروف فقیہ تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۳۷۴)

(۸۳) سید سعد اللہؒ سورتی (م ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء)

سید سعد اللہ سورتی بن غلام احمد کی ولادت سلو، الہ آباد کے قریب ہوئی تھی، آپ شیخ پیر محمد کے نواسے تھے جو اس شہر کے معروف ولی تھے، ان کا نسب امام موسی کاظم تک پہنچتا تھا، آپ نے سلوک کی تعلیم شطاریہ اور قادریہ سلسلوں میں لی تھی، سعد اللہ حرمین شریفین میں بارہ سال رہے تھے، جہاں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ضیاء الساری شرح البخاری کے مصنف شیخ عبد اللہ (م ۱۱۳۴ھ) آپ کے مرید ہوئے تھے جن کے ذریعہ عرب میں قادریہ سلسلہ کو بڑا رواج ملا تھا، شیخ ہاشم سندھی آپ کے اچھے شاگردوں میں سے ایک ہیں، حرمین شریفین سے لوٹنے کے بعد آپ سورت میں رہے اور (۷/ جمادی الاول ۱۱۳۷ھ/ ۱۷۲۴ء) کو وفات پا گئے۔

سید سعد اللہ کو منطق اور فلسفہ پر اچھا عبور تھا، آپ توریت اور انجیل کے علوم سے بھی باخبر تھے، اورنگ زیب آپ کو سیدی وسندی لکھتے تھے، آپ نے کئی کتابیں لکھی تھی، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) **کشف الحق** (۲) **تحفة الرسول** (۳) **حاشيه على يمين الوصول** (موضوع فقہ)۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۵۷)

(۸۴) شیخ عبد القادر فتنیؒ (م: ۱۱۳۸ھ)

ممتاز محدث شیخ (ابن) طاہر پٹنی کے پوتے اور عربی زبان کے ادیب شیخ عبد القادر بن شیخ ابو بکر الفتنی ہیں، آپ کے سوانح حیات میں سوا اس کے کہ آپ جوانی میں مکہ منتقل ہو گئے اور شیخ عبد اللہ طرافہ الانصاری المکی الشافعی سے تعلیم حاصل کی تھی، آپ کئی سال مکہ کے مفتی رہے تھے، آپ کی وفات ۱۱۳۸ھ میں ہوئی تھی، اپنے عزیز شاگرد کی وفات پر ان کے استاد طرافہ نے عربی میں ایک طویل مرثیہ لکھا تھا (عبد القادر، فتاوی (چار جلدوں میں) اور منشآت (عربی ادب) کے مصنف ہیں، ان میں سے کوئی موجود نہیں ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۷)

(۸۵) خواجہ فیض احسن سورتیؒ (م ۱۱۵۱ھ)

سورت مولد ومدفن ہے، فضل وصلاح میں مشہور عالم وفاضل ہیں، فن فقہ اور اصول فقہ میں ممتاز تھے، آپ کے فتاوی کا مجموعہ "**الفتاوى النقشبندية**" سے موسوم ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب "**خلاصة الكيداني**" کی شرح "**فرخشاهي**" کے نام سے لکھی۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۲۲۷، ۲۲۸)

(۸۶) شیخ جلال الدین گجراتیؒ (م ۱۱۴۰ھ)

آپ نے اپنے والد ماجد سے علم ظاہر و باطن حاصل کیا، زندگی کے اخیر دور میں ایک مرض میں ابتلاء کی وجہ سے میوہ پر گزارہ کر لیتے تھے۔ دو رسالے تصنیف فرمائے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه و التصوف. (نزہۃ الخواطر: ۵۶/۶)

(۸۷) مولانا محمد صالحؒ (وفات: ۱۶/ جمادی الاولی ۱۱۴۷ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۷۳۴ء)

شیخ محمد صالح بن نور الدین: ولادت اور نشوونما احمد آباد میں ہوئی، سبعہ قرأت کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے والد سے علم دین حاصل کیا، پھر فتوی نویسی اور تدریس میں لگ گئے، بڑے بڑے علماء نے آپ سے علم حاصل کیا، دو مرتبہ دہلی کا سفر کیا، ایک مرتبہ فرخ سیر کے زمانے میں، دوسرا محمد شاہ کے عہد سلطنت میں، اور دونوں مرتبہ بڑے اکرام اور احترام سے نوازے گئے، ورع وتقوی میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، اپنے والد کی حیات میں رحلت فرمائی، آپ کی وفات ۱۶/ جمادی الاولی ۱۱۴۷ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۷۳۴ء کو ہے، دہلی میں انتقال ہوا، لیکن آپ کی میت کو احمد آباد منتقل کیا گیا، اور اپنے دادا ملا محمود کے پاس دفن کئے گئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۶۰۲، تذکرۂ قاریان ہند: ۲/ ۲۰۸)

(۸۸) شیخ نور الدین گجراتیؒ (۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء)

احمد آباد میں پیدا ہوئے ''گلستاں'' اپنی والدہ سے سات روز میں پڑھ لی، دیگر علوم علمائے احمد آباد سے حاصل کر کے ممتاز عصر ہو گئے۔ بڑے زاہد و عابد تھے، سلاطین کے ہدایا قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، بڑے وسیع النظر عالم تھے جیسا کہ ان کی تصانیف کثیرہ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائی ''شرح وقایہ'' کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ احمد آباد میں اپنے مدرسہ کے قریب مدفون ہیں۔ (نزہۃ الخواطر: ۳۹۱/۶)

آپ کی تصانیف:

"حاشيه على التلويح"

"حاشيه على شرح الوقايه". (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۸۱، ۲۷۸)

(۸۹) شیخ اکرم الدینؒ (قاضی عبدالوہاب کے پوتے) (وفات: ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء)

شیخ فاضل اکرم الدین بن محی الدین بن قاضی عبدالوہاب حنفی: مولد ومنشاء احمد آباد ہے، آپ نے شیخ نور الدین بن محمد صالح سے علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال حاصل کیا۔

آپ اپنے والد محترم کی رحلت کے بعد ۱۱۰۰ھ میں گجرات کی حکومت میں آئے، شاہ عالم بن عالمگیر نے آپ کو شیخ الاسلام خاں کا لقب دیا۔

آپ کی خوبصورت نشانیوں میں سے احمد آباد کا مدرسہ: مدرسہ ہدایت بخش ہے، آپ نے اس کی عمارت پر ایک لاکھ چوبیس ہزار درہم خرچ کئے، اس مدرسہ کی تعمیر ۱۱۰۲ھ میں شروع ہوئی، اور ۱۱۰۹ھ میں مکمل ہوئی۔

پھر جب طلبہ محتاج ہو گئے تو صوبہ پٹن کے دو گاؤں اور صوبہ چانپانیر کے ایک گاؤں کی آمدنی کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا۔

مدرسہ شیخ الاسلام: یہ مدرسہ قاضی اکرم الدین خان المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپئے میں تعمیر کرایا تھا، اور اس کی عمارت نو سال ۱۱۰۲ھ-۱۱۱۱ھ میں مکمل ہوئی تھی، کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ مولانا نور الدین کے لئے تعمیر ہوا تھا، جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں صرف کردی تھی، اور علامہ وجیہ الدین علوی کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرت تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہیں ہوا، انہوں نے ۱۱۵۵ھ بمطابق ۱۷۴۲ء میں وفات پائی، اور اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر:۶/ ۲۷، اسلامی کتب خانہ: ۲۸۳)

(۹۰) قاضی نظام الدینؒ (وفات: ۱۲/ذو القعدۃ الحرام ۱۱۶۵ھ مطابق ۲۰/دسمبر ۱۷۵۲ء)

قاضی نظام الدین بن نور الدین بن محمد صالح: یکے از علمائے صالحین، علمی خاندان میں آپ نے نشو ونما پائی، نہایت زکی وذہین تھے، علوم وفنون میں اپنے ہم عصروں کے آگے نکل گئے، فن ریاضی اور شعر وانشاء میں خاص مہارت حاصل تھی، ۱۱۵۱ھ میں احمد آباد کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور تادم حیات اسی عہدہ پر فائز رہے۔

مرأۃ احمدی کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ قاضی محمد نظام الدین خاں حافظ قرآن، بڑے محقق تھے، بالخصوص ریاضی کے ماہر تھے، انشاء پردازی اور شعر گوئی میں بہت ممتاز تھے، امراء اور سلاطین کی صحبت میں بھی رہے، اور ان کی طرف سے خلعتیں اور مناصب پائے، یہاں تک کہ احمد آباد کی منصب قضا پر فائز کئے گئے، اور نہایت عدل وانصاف کے ساتھ احکام شریعت کو نافذ کرتے۔

۱۲/ذو القعدۃ الحرام ۱۱۶۵ھ کو اس عالم فانی سے عالم باقی کو کوچ فرمایا، اور اپنے والد کے پہلو میں مشرقی جانب دفن کئے گئے۔ (نزہۃ الخواطر:۶/ ۲۸۵، خاتمۂ مرأۃ احمدی: ۶۰)

(۹۱) عبد النبی احمد نگریؒ (م: ۱۱۷۳ھ)

سابق الذکر قاضی عبد الرسول بن قاضی عبد الصمد کے ایک ممتاز صاحبزادے قاضی عبد النبی کی ولادت (۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۴ء) میں احمد نگر (دکن) میں اس وقت ہوئی تھی جب آپ کے والد وہاں قاضی تھے، آپ نے منطق کی تعلیم سید بخش الکرمانی الخیر آبادی سے حاصل کی تھی، آپ احمد نگر کے قاضی تھے۔

آپ کی ولادت دکن میں ہوئی تھی اور وہیں پوری زندگی گزاری تھی، اس کے باوجود ہم نے آپ کو یہاں (گجرات کے دانشوروں کے ساتھ) شمار کیا ہے، صرف اس لئے کہ آپ اپنے آپ کو دکن میں بے وطن اور گجرات ہی کو اپنا وطن سمجھتے تھے، اس کے علاوہ بعد کے مؤرخوں نے آپ کو عثمانی گجراتی کے نام سے پہچانا ہے۔

آپ نے کئی کتابیں لکھی ہے، ان میں سے ایک "حاشیہ علی الفرائض السراجیہ" ہے۔ سراج الدین کی تصنیف کردہ: "مسلم قوانین وراثت" کی مشہور درسی کتاب "فرائض السراجیہ" پر حاشیہ ہے، اس کا مخطوطہ آصفیہ میں محفوظ ہے اور ڈاکٹر زبید احمد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۸۲)

(۹۲) قاضی عیسیٰ جوناگڑھی

جزیرہ نما گجرات (کاٹھیاواڑ) کے چند دانشوروں میں سے ایک قاضی محمد عیسیٰ بن شیخ عبد المجید الصدیقی ہیں، آپ فرخ سیّر (مغل بادشاہ) کے عہد (سلطنت ۱۱۲۴ تا ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۳ تا ۱۷۱۹ء) میں گزرے ہیں، آپ جوناگڑھ کے قاضی اور علوم اسلامیہ کے ماہر تھے،

آپ نے فارسی میں ایک روزنامہ (Diary) لکھا ہے جو دلچسپی کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہے اور کاٹھیاواڑ کی ادبی سرگرمیوں کو اجاگر کرتا ہے، آپ نے سلسلہ قادریہ میں سلوک کی تعلیم حاصل کی تھی، ان کے روزنامچہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک چھوٹا سا مدرسہ چلاتے تھے جہاں طلباء کی ایک جماعت حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتی تھی، آپ نے علم فقہ میں اپنے تبحر کا مظاہرہ، اپنی تصنیف "فتح القدیر" میں کیا ہے جو فقہ کی معتبر کتاب الھدایہ کی شرح ہے، اس کتاب کا صرف تھوڑا سا حصہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے خانگی ذخیرے میں محفوظ ہے، ڈاکٹر زبید احمد نے بھی فتح القادر کا ذکر کیا ہے۔

قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی (م ۱۹۵۵ء) کے پاس قلمی اور مطبوعہ کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، جسے وہ ۱۹۴۸ء میں تقسیم ملک کے سانحہ کے دوران کراچی لے جانے میں کامیاب ہوئے تھے، مترجم نے ۱۹۶۴ء میں یہ کتابیں قاضی صاحب کی رہائش پر محفوظ دیکھی تھی، لیکن دوسال بیشتر، جب دوبارہ کراچی گیا تو معلوم ہوا کہ مرحوم کا تمام ذخیرہ انجمن ترقی اردو کراچی کے حوالے کردیا گیا تھا، اب یہ پتہ نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا ہوگا؟ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۷)

(۹۳) قاضی عبدالحمید (ابن قاضی عبداللہ) (زمانہ تقریباً ۱۲، ویں صدی)

قاضی عبدالحمید بن قاضی عبداللہ بن محمد شریف حنفی: فضل وصلاح میں مشہور تھے، ولادت اور نشو ونما احمد آباد میں ہوئی، شاہزادہ محمد اعظم ابن عالمگیر نے آپ کے والد قاضی عبداللہ کی جگہ ۱۰۹۵ھ میں اردوئے معلیٰ میں آپ کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا، ایک مدت تک اس خدمت کو انجام دے کر حج وزیارت کے لئے چلے گئے، تقریباً ۱۱۰۸ھ میں واپس آکر صوبہ گجرات کے دیوان مقرر ہوئے، ۱۱۳۱ھ میں شاہ عالم ابن عالمگیر نے ہند کے قاضی القضاۃ کا عہدہ آپ کے حوالے کیا، تین سال اس عہدے کی خدمات انجام دیتے رہے، پھر استعفا پیش کرنا چاہا؛ لیکن شاہ عالم نے اس کو منظور نہیں کیا، چنانچہ آپ نے اپنے خیمہ میں آگ لگادی اور فقیرانہ لباس پہن لیا اور مسجد میں گوشہ نشین ہوگئے، شاہ عالم کو مجبوراً آپ کا استعفا قبول کرنا پڑا، اور شریعت خاں کو آپ کی جگہ مقرر کیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۴۲، مشائخ احمد آباد: ۲/ ۲۷۴)

(۹۴) محمد پناہؒ

"نصیحۃ عباد اللہ و امۃ رسول اللہ" نامی رسالہ India Office Library میں دستیاب ہے، تمباکونوشی کے خلاف دلائل پر مبنی اس رسالہ کے مصنف محمد پناہ بتائے گئے ہیں، یہ رسالہ اس موضوع پر، احمد آباد اور بھروچ میں ان سے کئے گئے استفسار کے جواب میں لکھا گیا تھا، اس کا سال تصنیف (۱۱۸۰ھ/ ۶۷-۱۷۶۶ء) ہے۔

اس سے پیشتر شیخ اسحاق کی اسی موضوع پر ایک تصنیف: "تحریم شرب الدخان" کا ذکر آچکا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۹)

(۹۵) قاضی ابوالفرحؒ (قاضی عبداللہ کے بعد ان کی جگہ قاضی احمد آباد)

شیخ عالم فیقہ ابوالفرح، آپ اہل علم میں سے تھے، قاضی عبداللہ بن محمد شریف کی جگہ آپ عالمگیر بن شاہ جہاں کے دور میں احمد آباد کے قاضی مقرر ہوئے، اور ایک طویل مدت تک مسند افتاء پر فائز رہے، ۱۱۲۱ھ میں آپ کی جگہ قاضی ابوالخیر کو احمد آباد کے مسند افتاء پر فائز کیا گیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۶)

(۹۶) حضرت شیخ عبدالواحدؒ

مسلک حنفی کے کبار شیوخ میں سے تھے، مقبولین بارگاہ الٰہیہ میں ممتاز تھے، علم وطریقت کے جامع اور عمل کے میدان کے شہسوار تھے، جب فتن ومحن کی سختیاں انتہاء کو پہنچ گئیں تو ۱۱۲۵ھ میں اپنی فریاد لے کر دہلی کی طرف چل پڑے، مگر راہ ہی میں راجہ رتن چند جو قطب الملک کا دیوان تھا، آپ کو اس نے قید کر لیا، طویل عرصہ کے بعد جب رہائی پائی تو واپس احمد آباد لوٹ آئے۔ (مشائخ احمد آباد: ۲/ ۷۳ ۴)

(۹۷) مولانا محمد حسین شافعیؒ

شیخ محمد حسین بن محمد علی بن ناخدا حمزہ بلّو کان شافعی گجراتی جو فقہ کے ماہر علماء میں سے تھے، آپ کی ولادت اور وفات کی تاریخیں نہیں مل سکیں؛ البتہ اتنا پتہ چلا کہ نووی کی فقہ میں جو ''کتاب المنہاج'' ہے وہ آپ کے خط سے لکھی ہوئی پائی جاتی ہے، جس کی کتابت سے آپ ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۱۵۸ھ کو فارغ ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۲۹۹)

(۹۸) شیخ ابوالحسن ویلورویؒ

اصلا احمد آباد کے تھے، بعد میں ویلیور (مدراس) ہجرت کر کے تشریف لے گئے، مشائخ چشتیہ میں آپ کا شمار ہے۔

له مصنفات في الفقه و العقائد و التصوف. (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۵)

(۹۹) عارف باللہ سید حضرت پیر مشائخ

(مؤمن قوم کے پیر) (بارہویں صدی کے مجدد)

دیوان مشائخ کی بارہویں اور تیرہویں کتاب عبادت جلد اول ودوم (بزبان گجراتی) فقہ میں آپ کی اہم تصنیف ہے، علاقہ پالنپور اور کاٹھیاواڑ میں بسنے والی مومن قوم میں آپ کی بڑی خدمات ہیں۔

(۱۰۰) قاضی نور الحق گجراتی

گجرات کے مشہور فقہاء میں شمار ہے، عالمگیرؒ کے دور حکومت میں منصب قضاء پر فائز رہے، نیز ''ماندہ'' مقام کے محتسب بھی۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۳۸۹)

سن ہجری: ۱۲۰۱ تا ۱۳۰۰

(۱۰۱) شیخ سراج الدینؒ (متوفی ۱۷۹۸ھ مطابق ۱۲۱۳ء)

شیخ سراج الدین بن صادق بن عطا اللہ بن عبد اللطیف بن پیر محمد چانپانیری: فقہ واصول فقہ کے ممتاز علماء میں سے تھے، ولادت و پرورش گجرات میں ہوئی، زمانہ کے اساتذہ سے علم دین حاصل کیا، پھر درس وتدریس میں زندگی بسر کی، اور بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا، ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء میں وفات پائی، احمد آباد میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ (نزہۃ الخواطر ۶/ ۱۹۵)

(۱۰۲) شیخ جمال الدین چشتی (م ۱۲۲۴ھ ۱۷۱۲ء)

چشتیہ سلسلہ کے ایک درخشاں ستارے، شیخ جمال الدین (معروف بہ شیخ جمّن) ابن شیخ کمال الدین بزرگ ہیں، آپ ایک ممتاز محدث اور شارح ہیں، آپ شیخ کمال الدین علامہ کے جانشین تھے، جن کا نسب خلیفہ دوم (حضرت عمرؓ) سے ملتا ہے، شیخ جمن کی ولادت

احمد آباد میں (۱۰۷۷ھ/ ۱۶۶۶ء) میں ہوئی تھی، آپ میں آغاز عمر ہی سے ذہانت کی علامات پائی گئی تھیں، اور صرف اٹھارہ سال کی عمر میں مروجہ تعلیم مکمل کر لی تھی، آپ بڑے حسین وجمیل اور بڑے فیاض بھی تھے، آپ کی وفات (۶ / ربیع الثانی ۱۲۲۴ھ/ ۱۲ / ۱۷ء) کو احمد آباد میں ہوئی اور تدفین شاہ پور دروازے کے قریب کی گئی۔

شیخ نے کثیر تعداد میں کتابیں لکھی ہیں، چھوٹی ، بڑی تمام کی تعداد ۱۵۰ سے زائد ہے۔ان میں سے ایک تالیف ”حواشی علی التلویح لتفتازانی“ پر حاشیہ ہے۔(عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ:۲۶۷)

(۱۰۳) قاضی عبدالاحد سورتیؒ (م ۱۲۲۵ھ)

(اصل نام احمد تھا)، قبیلۂ باعلظہ سے تھے، شیخ عبداللہ حسینی لاہوری ثم سورتی کے شاگرد تھے، علم ادب و بلاغت اور فن شعر کے شناور تھے۔شہر بھروچ میں منصب قضاء پر فائز رہے۔(نزہۃ الخواطر:۷/ ۲۳۰)

(۱۰۴) شیخ محمد سورتیؒ (م ۱۲۲۸ھ)

اپنے دور کے مشہور عالم فاضل ہیں، انگریز کے دور میں منصب افتاء پر فائز تھے، طویل عرصہ تک بہ ذریعہ افتاء خلق خدا کی رہنمائی کی، متعدد علماء نے آپ سے علم حاصل کیا۔

ولی الإفتاء في المحكمة العدلية الإنكليزية بسورت. (نزہۃ الخواطر:۷/ ۴۱۱)

(۱۰۵) مفتی نظام الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۰ھ)

سورت مولد ومسکن ہے، اپنے والد صاحب سے پڑھا، درس وتدریس کے ساتھ افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے۔

العالم المفتي، أحد الفقهاء الحنفية، (إلى قوله:) ثم ولي الإفتاء ببلدة سورت. (نزہۃ الخواطر:۷/ ۵۰۳)

(۱۰۶) مفتی جمال الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۶ھ)

سورت میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی، اپنے والد ماجد سے فن فقہ حاصل کیا، بعدہ افتاء اور قضاء میں ان کے جانشیں مقرر ہوئے، بعد میں اس منصب سے الگ ہو گئے، اور عبادت اور افادہ میں اوقات صرف کرتے تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر:۷/ ۱۲۱)

(۱۰۷) سید شرف الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۶ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، علمائے وقت سے علم حاصل کیا، بعد فراغت اپنے وقت کے شیخ مانے گئے، سورت میں مدفون ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر:۷/ ۲۰۷)

(۱۰۸) شیخ احمد بن محمد گجراتیؒ (م ۱۲۵۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے والد سید محمد ہادی سے حصول علم کے بعد درس وتدریس میں لگ گئے، آپ کے علم سے علماء کی ایک جماعت مستفید ہوئی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر:۷/ ۳۲)

(۱۰۹) شیخ رحمت اللہ لاجپوریؒ (م ۱۲۶۴ھ)

سورت کے قریب ''لاجپور'' گاؤں کے باشندہ تھے، قرآن شریف قرآت سبعہ میں تلاوت کرتے، اس وقت ان کے جیسا اس جگہ کوئی قاری نہ تھا۔ درس وتدریس میں طویل عرصہ تک مشغول رہے، دو حج کیے، دوسری مرتبہ حج کے سفر سے واپسی میں غرق آب ہوئے اور انتقال فرما گئے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر: ۱۷۴/۷)

(۱۱۰) شیخ غلام احمد سورتیؒ (۱۲۷۶ھ)

مولد ومسکن اور مدفن سورت ہے، اپنے والد سے علم فقہ وحدیث حاصل کیا، بعدہ تادم حیات تدریس وافادہ میں لگے رہے۔

العالم الفقیہ، أحد الفقهاء الحنفیة. (نزہۃ الخواطر: ۳۴۵/۷)

(۱۱۱) مولانا مراد اللہ لکھنویؒ (م ۱۲۸۱ھ)

لکھنؤ کے حنفی عالم اور فقیہ تھے، لکھنؤ میں تدریس کے بعد بڑودہ آ گئے، اور بڑودہ میں ایک مدت تک درس وتدریس کی۔ (نزہۃ الخواطر: ۴۷۰/۷)

(۱۱۲) محمد ابراہیم بن عبد الاحد باعکظہ سورتیؒ (م ۱۲۸۲ / ۱۸۶۵)

معلم صاحب کے نام سے مشہور محمد ابراہیم: احمد باعکظہ کے چوتھے بیٹے تھے، انہوں نے بمبئی جامع مسجد سے متصل مدرسۂ محمدیہ میں استاد کے طور پر کام کیا تھا، آپ کے تلامذہ میں کئی ممتاز مولوی ہوئے ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر سید عبد اللہ بن نور اللہ القادری ہیں، بعد میں اسی مسجد میں آپ کو خطیب بنایا گیا تھا، شافعی ہونے کے باوجود چاروں مکاتب فکر کے فقہی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ سب آپ سے مشورہ کرتے تھے، آپ کی وفات ماہ رجب (۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) میں ہوئی تھی، اور تدفین بمبئی کے العیدروس کے روضہ میں ہوئی تھی۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے ''تحفۃ الاخوان'' اور ''نعم الانتباہ'' معروف ہیں، ''تحفۃ الاخوان'' کا موضوع فقہ شافعی ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۸۸)

سورت میں پیدا ہوئے، اسی شہر میں حصول علم کے بعد بڑے عالم ہوئے۔ بمبئی میں جامع الکبیر کے خطیب اور مدرسہ محمدیہ میں مدرس رہے۔ آپ شافعی المسلک عالم تھے، فقہ شافعی میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/۷)

(۱۱۳) قاضی غلام علی سورتیؒ (م ۱۲۹۱ھ)

اپنے والد صاحب کے بعد منصب افتاء وقضاء پر فائز رہے، درس وتدریس کا بھی مشغلہ تھا۔ سورت ہی میں انتقال ہوا۔

أحد الفقهاء الحنفیة ولی الإفتاء والقضاء بعد والده. (نزہۃ الخواطر: ۳۵۶/۷)

(۱۱۴) حسن الانصاریؒ

آپ کا پورا نام حسن بن عبد اللہ بن عمر باحمید الانصاری ہے، ان کے بارے میں اطلاع کچھ زیادہ نہیں؛ سوائے اس کے کہ آپ احمد آباد کے قریب رہتے تھے، اور (۱۲۷۹ھ/ ۱۸۲۶ء) میں عبد الرحمن بن محمد عیدروس الظاہر العلوی سے ملنے کی غرض سے احمد آباد آئے تھے، آپ شافعی مسلک کے تھے اور فقہ میں کمال حاصل کر لیا تھا، کبھی عربی میں شعر بھی کہتے تھے، آپ (۱۲۸۲ء/ ۱۸۶۵ء) میں حیات تھے،

آپ کی تین کتابیں محفوظ کر لی گئی ہیں۔

(۱) **کتاب الحجة بلاجدال فی جواز الجمعه باربعة رجال:**

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے: اس رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ کیا چار آدمیوں کی جمعہ کی نماز جائز ہے؟ یہ تصنیف (۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء) میں مکمل ہوئی تھی، اس میں ایک مقدمہ، بارہ ابواب اور ایک خاتمہ شامل ہیں، اس کا مخطوطہ بحار میں محفوظ ہے۔

(۲) **الکشاف لبیان مافی عدد الجمعة من الخلاف:**

ماقبل کی طرح یہ بھی اسی موضوع پر ہے، سوا اس کے کہ یہ ایک قدم آگے بڑھ کر صرف دو آدمیوں کی نماز جمعہ کو جائز قرار دیتی ہے، اس کا مخطوطہ بحار میں موجود ہے۔

(۳) **قصائد:** مختلف مواقع پر لکھے گئے قصیدوں کا مجموعہ ہے، چند قصائد کے ساتھ مختصر مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں تکمیل کی تاریخ بھی دی گئی ہے، اس کا مخطوطہ بحار میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۸۹)

(۱۱۵) قاضی اخی بن محمد سین سورتی

سورت کے مشہور فقیہ عالم ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۴۹)

(۱۱۶) مولانا صالح بن خیر الدین سورتیؒ

سورت میں پرورش پائی، اپنے والد بزرگوار سے طویل عرصہ تک تحصیل علم کے بعد سورت ہی میں منصب قضاء پر فائز ہوئے، تادم آخر اسی منصب پر قائم رہے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث. (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۱۸)

(۱۱۷) شیخ عبدالرحمن گجراتی

قبیلۂ باعلظہ سے تھے، سورت میں نشوونما پائی، شافعی المسلک تھے، اپنے والد ماجد اور دیگر علمائے وقت سے علوم حاصل کیے، بعد میں حیدر آباد تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۵۳)

(۱۱۸) مفتی عبداللہ سورتیؒ

اپنے چچا محدث سورت شیخ خیر الدین سورتی سے علم حاصل کیا، بعدہ سورت میں منصب افتاء پر فائز ہوئے اور تادم حیات اسی منصب پر قائم رہے۔

العالم الفقيه، أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (إلى أن قال:) ثم ولي الإفتاء بمدينة سورت. (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۳۰۱)

(۱۱۹) سید محمد بن زمین سورتیؒ

سورت کے ماہر فقیہ ہیں، اپنے والد اور دیگر علماء سے علم کی تحصیل کی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر: ۷/۴۱۶)

(۱۲۰) مفتی مصلح الدین سورتیؒ

سورت کے مفتی تھے، تادم آخر بہ ذریعۂ افتاء خدمات انجام دیں۔

الفاضل المفتي أحد الفقهاء الحنفية ولي الإفتاء ببلدته. (نزہۃ الخواطر: ۷/۴۸۳)

(۱۲۱) مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ

آپ کا وطن راندیر ضلع سورت ہے اور بعضوں کے کہنے کے مطابق لاجپور ہے، آپ کے والد کا نام محمد طیب بن محمد طاہر ہے، آپ کی ولادت راندیر میں ہوئی، آپ کے جدامجد سولھویں صدی عیسوی میں مدینہ منورہ سے سورت بندر پہنچے اور اس راستہ سے گجرات میں داخل ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

آپ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کے کچھ افراد سلطان شاہ جہاں کی فوج میں ملازمت کر رہے تھے اور عنایت اللہ خان کی معیت میں بنگال میں عیسائیوں کے مقابلہ میں شجاعت کے جلوے دکھائے تھے، ان کے والد نہایت متقی تھے اور کپڑوں کی تجارت میں خوب تجربہ تھا اور تجارت کے ساتھ ساتھ دینی خدمت میں بھی لگے رہتے تھے۔

آزادی کی ۱۸۵۷ کی جنگ کے وقت مولانا وصی احمد ۲۱ سال کے نوجوان تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۸۳۶ء میں ہوئی، دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد صاحب کے ساتھ تجارت میں لگ گئے تھے، اس جنگ کے وقت سورت اور اس کے اطراف وجوانب میں لوٹ مار اور ظلم وستم ہوا، دوکانیں لوٹ لی گئیں اور دو حقیقی بھائی گولیوں کے نشان بنا کر شہید کر دیئے گئے۔

عرب کی طرف رحلت: مولانا طیب اپنے دولڑکے مولانا وصی احمد، مولانا عبداللطیف اور اہلیہ کو لے کر کسی طرح عراق چلے گئے اور وہاں سے حرمین شریفین گئے اور حج سے فراغت کے بعد کچھ مدت تک مدینہ میں مقیم رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اس کے بعد مولانا وصی احمد اپنے بھائی اور والدہ کے ہمراہ گجرات آ گئے اور راندیر پہنچے جہاں آپ کی والدہ بھی جاں بحق ہوئیں، اس کے بعد مولانا وصی احمد صاحب طلب علم کے لئے اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر دہلی چلے گئے اور مدرسہ حسین بخش میں حصول علم کے بعد علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ سے تفسیر اور فقہ حاصل کیا، بعدہ حدیث شریف پڑھنے کے لئے سہارن پور چلے آئے اور مولانا احمد علی محدث کے درس میں شامل ہو گئے، اس کے بعد فقہ میں مزید رسوخ ومہارت پیدا کرنے کے لئے مولانا محمد مظہر نانوتوی اور مولانا فیض الحسن صاحب کی خدمت میں ایک مدت تک رہے، اس طرح طویل مدت تک حصول تعلیم میں لگے رہے۔

انہی ایام میں وہ مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر منسلک رہے اور خلافت سے نوازے گئے، اس کے بعد اپنے پیر ومرشد مولانا گنج مرادآبادی اور استاذ محترم مولانا احمد علی کے حکم پر روہیل کھنڈ، پیلی بھینت میں قیام کیا اور تاحین حیات وہیں رہے، نیز وہاں مولانا خلیل الرحمن سہارن پوری کے تعاون سے ''مدرسہ الحدیث'' کی بنیاد ڈالی اور اسی درس گاہ میں ۴۰/سال تک کتابیں پڑھاتے رہے۔

تعلیقات سنن نسائی، التعلیق المجلی آپ کی علمی شاہ کار ہیں۔ (اکابرین گجرات، گجراتی: ۴/ ۱۸۲-۱۸۴، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

سن ہجری : ۱۳۰۱ تا ۱۴۰۰

(۱۲۲) مفتی عبدالحمید شافعی سورتیؒ (م ۱۳۰۸ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور دیگر علماء سے حصول علم کے بعد ''مدرسہ محمدیہ بمبئی'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ فن فرائض اور حساب میں یدطولی حاصل تھا، متعدد اشخاص نے ان سے فیض اٹھایا۔ بمبئی میں انتقال ہوا۔

أحد کبار الفقهاء. (نزہۃ الخواطر جدید: ۸/ ۱۲۶۵)

(۱۲۳) قاضی احمد لاجپوری (م ۱۳۰۹ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے اساتذہ سے پڑھا، پھر ''پارچول'' گاؤں کے قاضی مقرر ہوئے، فصیح وبلیغ شاعر بھی تھے۔

أحد الأفاضل المشهورين. (نزہۃ الخواطر جدید: ۸/ ۱۱۸۳)

(۱۲۴) عبدالقادر باعکظہؒ (زمانہ: تیرہویں صدی)

آپ کا پورا نام عبدالقادر بن احمد بن شیخ محمود بن عبدالقادر بن احمد ہے، آپ کی ولادت (۱۲۶۳ھ میں ۱۷/ رجب کو ۱۸۴۶ء) سورت میں ہوئی تھی، آپ نے حدیث وافتاء کی تعلیم مچھلی شہر کے شیخ محمد سے حاصل کی تھی شیخ بخشومیاں کے بقول یہ سند افتاء، فقہ شافعی وحنفی دونوں میں اجازت پر مشتمل تھی، اور آپ کو شافعی مسلک کے فرائض کا ماہر سمجھا جاتا تھا، آپ نے (۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) میں حج ادا کیا جبکہ آپ کی عمر ۴۴ سال کی تھی، آپ ۱۳۱۵ھ میں حیات تھے، آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) **تحفة الفقير الى من اجتر أعلى المسلم بالتكفير**، یہ وہابیوں کے رد میں ہے۔

(۲) **تحفة المشتاق فی احکام النکاح و الانفاق**، یہ نکاح سے متعلق شافعیوں کے مسائل پر مبنی ہے۔

سفر حج اور حصول علم: ۱۳۰۸ھ میں آپ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہ کر عباقرۂ زمانہ سے علم حاصل کیا، پھر ہندوستان لوٹ کر بمبئی میں اقامت کی۔

آپ کی تصنیفات میں **تحفة الفقير الى من اجتر أعلى المسلم بالتكفير، تحفة المشتاق فی احکام النکاح و الانفاق** اور حکم قدم بوسی ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۸/ ۲۸۱، حقیقت السورت: ۱۲۷)

(۱۲۵) مولانا برکت اللہ سورتیؒ

سورت کے حنفی فقیہ عالم ہیں، حدیث وفقہ شیخ محمد سعید عظیم آبادی سے حاصل کیا، سورت میں درس وتدریس میں مصروف عمل رہے، متعدد علماء کے استاذ ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر جدید: ۸/ ۱۲۰۳)

(۱۲۶) شیخ ابراہیم جوناگڑھیؒ

گجرات کاٹھیاواڑ علاقے کے ایک اور صاحب قلم شیخ ابراہیم بن اسماعیل جوناگڑھی ہیں، آپ نے تجہیز وتکفین سے متعلق ایک

رسالہ "وسیلة النجاة فی احکام الممات" لکھا ہے، اس کا مخطوطہ مدراس کے شمس العلماء قاضی عبداللہ کتاب خانہ میں محفوظ ہے، ایک اورنسخہ رامپور میں بھی بتایا گیا ہے۔

شیخ ابراہیم بن اسماعیل جوناگڑھی کی کتاب "وسیلة النجاة" کا ایک قلمی نسخہ PML میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۹۲)

(۱۲۷) عبداللطیف القاریؒ

شیخ محمد طاہر پٹنی کے آبائی وطن پٹن سے شیخ عبداللطیف بن احمد القاری نامی ایک اور محدث پیدا ہوئے ہیں، آپ کے سوانح حیات نامعلوم ہیں، آپ کی باقی ماندہ صرف دو کتابوں کے ذریعہ آپ معروف ہیں، حدیث کے موضوع پر آپ کی پہلی کتاب "**کشف الرجال من رواة مشارق الانوار**" ہے، لاہور کے حسن الصغانی کی "**مشارق الأنوار النبویه**" کے راویوں کے سوانح پر مشتمل ہے، اس کا مخطوطہ احمد آباد میں محفوظ ہے، آپ کا ایک رسالہ فقہ کے موضوع پر "**رسالة فی العقیقة**" ہے، یہ چار ابواب میں منقسم ہے: (۱) **فی ماهية العقيقة** (۲) **فی بیان فصتها** (۳) **فی بیان انواعها** (۴) **فی بیان وقتها** (۵) **فی بیان فائدتها**۔ اس رسالہ کا مخطوطہ بھی احمد آباد میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۹۳)

(۱۲۸) مولانا شاہ محمد اخسیکتیؒ

علامہ شاہ محمد معروف علماء میں سے تھے، اپنے زمانہ کے علماء عرب اور علماء عجم سے آپ نے تعلیم حاصل کی، اور اپنے مشائخ کی زندگی میں آپ کا شمار اکابر علماء میں ہونے لگا، حج وزیارت سے مشرف ہوئے، پھر ہندوستان پہنچے اور گجرات میں طویل زمانے تک درس وافادات میں مشغول رہے، پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیر کی، مندو پہنچے اور وہاں قاضی جمال الدین ترکستانی کی صاحبزادی سے نکاح کیا، سات سال تک وہاں بھی درس دیا۔

وہاں آپ کے تلامذہ میں محمد بن حسن مندوی مشہور ہیں، جنہوں نے آپ سے وہاں کشف، منار، تلویح، اصول فقہ میں پڑھیں، ان کے علاوہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ (گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر: ۵/ ۴۶۴)